

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ
 ”تمہارے رب کی طرف سے جو قرآن تم پر اترا ہے، اسی پر چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے نہ چلو۔“

ممنوعاً الہی

تعلیماً رسول اللہ ﷺ

کس کی یہ آرزو نہ ہوگی؟ کون یہ آرزو اور تمنا نہیں رکھتا کہ اس کا رب اس کو معاف کر دے، اس کی خطاؤں اور کوتاہیوں سے دو گزر کر دے، وہ اپنے آقا سے محبت کرے اور رب کریم اس سے الفت و محبت کا معاملہ فرمائیں۔ لیکن اس جانین کی محبت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہمارے گناہ ہیں۔ تو آئیے آج سے ہر ایک گناہ سے کچی توبہ کریں اور آئندہ ہر ایک ممنوع امر سے بچنے کا عزم محکم کریں۔ کیونکہ یہ حسرت و امید اگر پوری ہو سکتی ہے تو صرف اور صرف احکام الہیہ اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیروی سے ہی حاصل ہوگی۔

قاری محمد اکرام غفرلہ

ناشر: مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال ضلع چکوال

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ
 ”تمہارے رب کی طرف سے جو قرآن تم پر اترا ہے، اسی پر چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے نہ چلو۔“

ممنوعاً الہی

و تعظیماً رسول اللہ ﷺ

کس کی یہ آرزو نہ ہوگی، کون یہ آرزو اور تمنا نہیں رکھتا کہ اس کو، رب اس کا معاف کر دے، اس کی خطاؤں اور کوتاہیوں سے درگزر کر دے وہ اپنے آقا سے محبت کرے اور رب کریم اس سے الفت و محبت کا معاملہ فرمائیں۔ لیکن اس جائزین کی محبت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہمارے گناہ ہیں۔ تو آئیے آج سے ہر ایک گناہ سے بچی تو بہ کریں اور آئندہ ہر ایک ممنوع امر سے بچنے کا عزم مصمم کریں۔ کیونکہ یہ حسرت و امید اگر پوری ہو سکتی ہے تو صرف اور صرف احکام الہیہ اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیروی سے ہی حاصل ہوگی۔

قاری محمد اکرم غفرلہ

ناشر: مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال ضلع چکوال

ٹخنے ڈھانکنا باجماع احترام اور کتنا کبیرہ ہے

منکرانہ طور پر کپڑوں سے نیچے لگانا حرام ہے۔ (۵۵:۱ ص ۵۵)

دل میں کبر نہ بھی، تو تب بھی ٹخنے ڈھانکنا حرام ہے۔ (۵۵:۱ ص ۵۵)

یہ منکرین کا شعار ہے اور اہل تکبر کی عادت لپٹانا حرام ہے پس اس وجہ سے بھی ٹخنے ڈھانکنا حرام ہے۔ (طحاوی علی لائق ص ۱۸۰)

اس میں عورتوں سے مشابہت ہے، جو کہ مردوں حرام ہے۔ کیوں کہ ٹخنے ڈھانکنے کا حکم عورتوں کو ہے نہ کہ مردوں کو اور عورتوں سے مشابہت پر عیب میں لعنت آئی ہے۔ (۵۵:۱ ص ۵۵)

۱) اس میں غیر مسلموں سے مشابہت ہے کیوں کہ ان کا مخصوص شعار ہے اور مخیر کموں کے مخصوص شعار لپٹانا مسلمانوں حرام ہے۔ (۵۵:۱ ص ۵۵)

۲) ایسے افعال بھی حرام ہیں، جن سے (مخیر کموں سے) موالات (دلی تعلق) اور مشابہت ظاہر ہوتی ہے۔ (۵۵:۱ ص ۵۵)

اس میں اللہ کی رحمت سے دوری ہے، اللہ ایسے آدمی کی طرف نظر رحمت نہ فرمائیں گے۔ (۵۵:۱ ص ۵۵)

حضرت رسول ﷺ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب الہی لانے کی جو بات میں ٹخنے ڈھانکنے کا گناہ بھی بیان فرمایا ہے۔ پس مغضوب و مقہور قوم کا ناقصہ شعار ہے کہ جس کی وجہ سے عذاب آیا۔ اس لئے بھی اس کا لپٹانا مسلمان پر حرام ہے۔ (۵۵:۱ ص ۵۵)

ہر مسلمان عاقل بالغ مرد پر نماز میں بھی دونوں ٹخنے پورے پورے کھلے رکھنا واجب ہے جس طرح ایک مسلمان پر منگی بھر دار بھی کھنا واجب ہے۔ (فقہ اولاد اعظم بالاصواب)

جب کوئی شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے تو فرشتے پہلے کہتے ہیں: اے اللہ کے ولی! چپ رہ۔ پھر اگر وہ چپ نہیں ہوتا تو فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ کے دشمن! چپ رہ۔ پھر اگر اس سے بھی لگے بڑھتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: تجھ پر خدا کی لعنت! چپ رہ۔ (آداب السامع)

خزانة الفقہ میں لکھا ہے کہ شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے چالیس دن کے عمل خراب کر دیتا ہے۔ (اشیاء)

.....☆☆☆.....

ضروری گذارش!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم قارئین! ہم نے اس کتاب میں حتی الامکان تصحیح کی پوری کوشش کی ہے، لیکن اس کے باوجود بھی یہ گذارش ہے، بالخصوص اہل علم حضرات سے کہ اگر کوئی غلطی نظر سے گذرے تو ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں یہ غلطی باقی نہ رہے، ادارہ اس تعاون پر آپ کا بہت ممنون ہوگا اور آپ ”وَتَعَاوَنُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی“ کے مصداق بن جائیں گے۔

جَزَاؤُكُمْ اللّٰهُ فِی الدَّارِیْنِ.

از..... ادارہ

برائے رابطہ: 03145912896

.....☆☆☆.....

U. M. A. R. S. I. B. R. A. R. Y.
 شفیقہ لائبریری
 Mohra Kor Chasham (Chakwal) Pakistan

فہرست عنوانات

۴	۱	رائے عالی
۵	۲	انتساب بالاعتقان.....
۷	۳	ابتدائیہ.....
۱۱	۴	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کبھی نہ چھوڑو.....
۱۵	۵	گناہ سے نہ بچنے کے بد اثرات اور نقصانات.....
۱۹	۶	اپنی اولاد کو بد عقیدہ ہونے سے بچاؤ.....
۲۴	۷	شرک نہ کرو.....
۲۹	۸	اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہ ہو.....
۳۴	۹	شہید کو مردہ نہ کہو.....
۳۸	۱۰	جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار نہ کرو.....
۴۲	۱۱	حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ بناؤ.....
۴۷	۱۲	فضول خرچی نہ کرو.....
۵۱	۱۳	والدین کی نافرمانی نہ کرو.....
۵۵	۱۴	خیانت اور بددیانتی نہ کرو.....
۵۹	۱۵	ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو.....
۶۳	۱۶	سودی لین دین نہ کرو.....
۶۷	۱۷	چوری نہ کرو.....
۷۱	۱۸	رشوت سے بچو.....
۷۵	۱۹	بخیل نہ بنو.....
۷۹	۲۰	احسان جتا کر اپنی خیرات کو ضائع نہ کرو.....
۸۳	۲۱	زبان کو غلط استعمال نہ کرو.....

- ۲۲ جھوٹی قسم نہ کھاؤ ۸۸
- ۲۳ باہم لڑائی جھگڑے سے بچو ۹۲
- ۲۴ جھوٹ نہ بولو ۹۶
- ۲۵ غرور نہ کرو ۱۰۱
- ۲۶ غصہ نہ کیا کرو ۱۰۵
- ۲۷ کسی کا نام نہ بگاڑو ۱۱۰
- ۲۸ چغل خوری نہ کرو ۱۱۴
- ۲۹ کسی کا مذاق نہ اڑاؤ ۱۱۸
- ۳۰ کسی پر تہمت نہ لگاؤ ۱۲۲
- ۳۱ بدگمانی اور تجسس سے بچو ۱۲۷
- ۳۲ غیبت اور بدگوئی سے بچو ۱۳۲
- ۳۳ بے حیائی اختیار نہ کرو ۱۳۶
- ۳۴ نگاہیں نیچی رکھو اور نظر بازی سے بچو ۱۴۰
- ۳۵ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ ۱۴۵
- ۳۶ کسی کو ناحق قتل نہ کرو ۱۴۹
- ۳۷ باہم بغض و کینہ نہ رکھو ۱۵۳
- ۳۸ حسد نہ کرو ۱۵۷
- ۳۹ سائل کو نہ جھڑکو ۱۶۲
- ۴۰ دوسرے کے گھروں میں اجازت لئے بغیر داخل نہ ہو کرو ۱۶۶
- ۴۱ وعدہ خلافی نہ کرو ۱۷۱
- ۴۲ گانا سننے اور سنانے سے بچو ۱۷۵
- ۴۳ شراب نہ پیو ۱۷۹

.....☆ رائے عالی ☆.....

قرآن پاک میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝

”میں نے جن اور انسان تو اس لئے پیدا کئے ہیں کہ وہ میری عبادت کریں۔“

موجودہ زمانے میں جس انداز سے اسلام کی قدروں کی پابندی کی جا رہی ہے وہ انتہائی تشویشناک ہے، جس کے اثرات زیادہ تر نوجوان نسل میں پائے جاتے ہیں ان کے معصوم اور نا پختہ اذہان کو ابتدا ہی سے الیکٹرونکس میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ اسلام اور اس کے نام لیواؤں کے خلاف جو منفی زہر گھولا جا رہا ہے وہ ان کی قومی و ملی غیرت کو مفلوج کر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر طرف بے راہ روی کا ماحول پھیلا ہوا ہے، اس خلا کو پر کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ نوجوان نسل کے ذہنوں کو قرآن و سنت کی روشنی سے پوری طرح منور کیا جائے۔

جناب قاری محمد اکرام زید علمہ و عملہ نے ۴۰ قرآنی آیات کو مختلف عنوانات پر عام فہم، سلیس زبان اور احسن انداز سے جمع کیا ہے عوام الناس کے لئے مفید ترین مجموعہ ہے اور قرآنی دستور حیات کی حیثیت رکھتا ہے، جس پر عمل دنیا آخرت کی فلاح و بہبود اور کامیابی کا ضامن ہے۔ اللہ رب العزت اس کوشش کو جملہ مسلمانوں کے لئے آخرت کا سرمایہ بنائے اور موصوف کے علم و عمل میں برکت دے (آمین ثم آمین)

(پروفیسر) حافظ عبدالغفور غفرلہ

ایم، اے۔ علوم اسلامیہ بی ایڈ۔ ایسوی ایٹ پروفیسر

سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج چکوال

خطیب جامع مسجد اویسیہ گرلز کالج روڈ چکوال

خليفة مجاز :

حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور)

☆..... انساب بالامتنان☆

والد ماجد صوفی فضل محمد صاحب دامت برکاتہم کے خال زاد اور میرے چچا استاذی المکرم بلکہ پورے گاؤں کے مربی و محسن اور استاذی المکرم محترم جناب سلیم اختر صاحب نور اللہ مرقدہ کے نام.....

جن کی شفقتوں کی داستان کچھ اس قدر طویل ہے کہ اس کا سرا بھی نظر نہیں پڑتا میرے ناظرہ قرآن مجید کے استاذ چچا مرحوم ہی تھے، اس کے بعد جب حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوا تو اس میں بھی انہی کی تحریک و تحریض کا فرما تھی اور جو گردن موڑ کر اپنے ان پچاس شاگردوں کو دیکھتا ہوں جو میرے زیر سایہ حافظ قرآن بنے اور ان سینکڑوں بچوں کو دیکھتا ہوں جن کو ناظرہ قرآن کریم پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی تو اس میں بھی انہی کی تحریضی حصہ داری شامل حال معلوم ہوتی ہے۔

دنیا و آخرت کے سعادت مندوں کی مثالیں تو بکثرت پڑھ رکھی تھیں مگر موصوف کی زندگی اس سعادت مندی کا عملی نمونہ تھی۔ ہمارے گاؤں کی دونسلوں نے قرآن مجید کی تعلیم انہی سے پائی اور ان کے عقائد کی صحت کا ذریعہ بھی آپ ہی بنے، ہمہ وقت اصلاح احوال کے لئے چلتی ہوئی آپ کی زبان، ماحول کے غیر شرعی طور طریقوں پر کڑھنے اور جلنے والا دل، حرام و حلال کے اختلاط اور چیر پھاڑ کے ماحول میں غریب پرور اور سچے تا جبر کی زندہ مثال، راحت و کلفت میں صبر و رضا کے پیکر مجسم، شرعی پردہ کی تلقین اور اپنے گھروں میں اس کی سختی سے تنفیذ کی نیو ڈالنے والی عظیم جدوجہد، شریعت مصطفویہ اور سنن محمدیہ (ﷺ) کا چلنا پھرنا نمونہ، بیسیوں غریبوں، بے آسراؤں کیلئے سائبانِ شفقت، شرک و بدعت، رسم و رواج کی عملی بیخ کنی میں ہمہ وقت مصروف زندگی یہ سب اور ان کی سعادت مندی کی ادنیٰ سی جھلک تھے جن میں سے ایک ایک بات مقدر کا سکندر بنانے کے لئے کافی ہے۔

چچا مرحوم چکوال کی عظیم ترین علمی درس گاہ ”جامعہ عربیہ اظہار الاسلام“ کے بیت المال کے امین، خزانچی اور مسؤل تھے، آمدن و خرچ، اساتذہ اور عملہ کی تنخواہوں کی ذمہ داری، اور سالہا سال سے اجتماعی قربانی کا نظم جو قائم تھا اس کے تو آپ روح رواں تھے، امسال بھی ساٹھ سے

اوپر جانوروں کی خریداری اپنی نگرانی میں کر چکے تھے اور خریدے ہوئے مال کی ادا یگی میں مصروف تھے، سامنے حصہ داروں اور جانور بیچنے والوں کا حلقہ جما ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں یہ دلفریب منظر قبولیت پا گیا، موت جس وقت آپ سے سرگوشی کر رہی تھی آپ بھی اس وقت کلمہ طیبہ کی سرگوشی میں مصروف تھے یہ منظر کچھ ایسا ایمان پرور تھا کہ وہاں موجود سارا عملہ ایسی عظیم موت کی تمنا میں زیر لب دعائیں کر رہا تھا۔

چچا موصوف کی زندگی جس طرح قابل رشک تھی آپ کی موت بھی کچھ کم قابلِ غبطہ نہ تھی کیونکہ موت کا وقت افضل ترین وقت ”عید قربان“، موت کی افضل ترین جگہ ”مسجد و مدرسہ“ اور موت کی اعلیٰ ترین حالت ”اَنْ تُوْدُوْا اِلَیْ اٰهْلِهَا“ پر عمل پیرائی اور کلمہ طیبہ کا ورد مقدر بنی۔

وہ کسی کی شمعِ حیات بوقت صبح جو ٹٹٹھا رہی تھی ہزار روغن میں ڈالتا تھا مگر وہ بجھتی ہی جا رہی تھی قضا کا دستِ جفا کنندہ بڑی ہی تیزی سے بڑھ رہا تھا وہ جا رہے تھے میں رو رہا تھا قضا کھڑی مسکرا رہی تھی آپ کی زندگی ایک سہارا اور تائید ایزدی تھی اب وہ سہارا بھی چھن چکا دل کی دنیا ویرانی کا منظر پیش کر رہی ہے، تو ماحول پر بھی عجیب سا ہول طاری ہے گاؤں کے سیاسی بیوپاری دنگلوں میں آچکے ہیں، روزانہ ایک نیا فتنہ نمودار ہوتا ہے، مگر آہ افسوس! کوئی ”سلیم اختر“ نہیں جو ان فتنوں کی راہ روک سکے۔

.....☆☆☆.....

ابتداء دانی

اللہ ﷻ کی طرف سے اس دنیا کو جس قدر نعمتیں دی گئی ہیں ان کے دوسرے چشمے ہیں۔ قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ ان دوسرے چشموں سے جو دین تیار ہوا ہے وہ ”دین اسلام“ ہے۔ اسلام وہ اعلیٰ ترین دین ہے جس میں ساری کائنات کا مفاد پیش نظر رکھا گیا ہے، اور جس سے ہر دور کے سارے انسان رہنمائی پاسکتے ہیں۔

حق ﷻ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں زندگی بخشنے کے ساتھ ساتھ ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے کتاب ہدایت اور اس کی تعلیم و تربیت کے لئے معلم الکتاب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجا تا کہ ہمیں شیطان یا خود ہمارا نفس صراطِ مستقیم سے نہ بھٹکا دے اور ہم دنیوی و اخروی عذاب سے بچنے رہیں۔ اس مختصری زندگی کے لئے کم و بیش ہر انسان دولت و راحت چاہتا ہے، عیش و آرام چاہتا ہے، سکون و اطمینان چاہتا ہے، لیکن جہاں اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا کر رہنا ہے اس دارالآخرت کے آرام و آسائش کے لئے نہ کوئی فکر کرتا ہے اور نہ تیاری! جیسے اس کو کبھی وہاں جانا ہی نہیں۔

آخرت کی گرفت اور عذاب کے مقابلہ میں دنیا کی پکڑ اور عذاب کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ان میں ذرہ و آفتاب کی نسبت بھی نہیں، لیکن دنیا کی معمولی سی تکلیف یا مصیبت انسان کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے وہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے نہ صرف خود ہاتھ پاؤں مارتا ہے بلکہ اس کے عزیز و اقارب اور دوست احباب بھی اس کی خبر گیری، دیکھ گیری اور مشکل کشائی کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے، تب کہیں جا کر نجات کی صورت پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر آخرت میں کوئی گرفت ہو جائے اور عذاب کا سامنا کرنا پڑے تو اس نفسا نفسی کے عالم میں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا، نہ باپ بیٹے کی مدد کر سکے گا، اور نہ بیٹا ماں کی، اس عالم کو ذرا تصور میں لا کر ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا؟ اللہ ﷻ اپنی حفاظت میں رکھے (آمین)۔

اس وقت اگر کوئی آپ کی مدد کر سکے گا تو وہ صرف اور صرف آپ کا عمل بالقرآن ہے، جس کی تمام تر تعلیمات، دنیا میں جنت کا نمونہ پیش کرنے کے لئے نازل کی گئیں ہیں۔ اور ان میں سے انسان کی روحانی تسکین، دنیوی و اخروی فوز و فلاح کی بالفاظ ذیل ضمانت دی گئی۔

ترجمہ:- ”سو جو لوگ اس نبی (آخر الزمان) پر ایمان لائے اور ان کی حمایت اور مدد کی اور اس نور (قرآن) کے تابع (فرمانبردار) رہے جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے وہی لوگ فلاح پائیں گے۔“ (الاعراف ۹)

آج کل مختلف اسباب سے معاصی اور گناہوں کی کثرت و بلاء عام کے درجہ کو پہنچ گئی ہے اور جس کے طوفان نے عالم کے تہ و بحر اور مشرق و مغرب کو گھیر لیا اور حالت یہ ہو گئی ہے کہ کوئی خدا کا بندہ گناہوں سے بچنے کا ارادہ بھی کرے تو دنیا کی فضا اس پر تنگ نظر آنے لگتی ہے یہاں تک کہ بہت سے لوگ ہمت توڑ بیٹھے، اور محنت چھوڑ بیٹھے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش ہی چھوڑ دی۔

سختی رہ سے نہ ڈر ہاں اک ذرا ہمت تو کر
گامزن ہونا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں
کام کر خود کام پہنچا دیتا ہے انجام تک
ابتدا کرنا ہے مشکل انتہا مشکل نہیں

حالانکہ دن کے ساتھ رات، روشنی کے دامن میں تاریکی، بہار کی آغوش میں خزاں، گل (پھول) کے پہلو میں خار (کائنا)، شیر کی خوبصورت و دلربا شکل میں درندگی، سانپ کی دلکش صورت و رفتار میں زہر قاتل اور دریا کی پرازگوہر میں ہلاکت پائی جاتی ہے۔ چاندنی رات ہم کو ہرگز پسند نہ ہوتی، اگر اندھیری رات سے ہم کو واسطہ نہ پڑتا۔

غرضیکہ اللہ ﷻ نے ہر خوبی کے دامن میں ایک برائی کو بانڈھ رکھا ہے، مثل ہے ”نوش بے نیش حاصل نمی شود“ شہد ڈنک کھائے بغیر حاصل نہیں ہوتا یعنی کوئی بھی اچھی چیز بے محنت نہیں ملتی۔ ایمان کی نعمت کا ہم کو مطلق احساس نہ ہوتا، اگر کفر کی لعنت دنیا میں موجود نہ ہوتی، اسی طرح ایک طرف نیکی ہے تو دوسری طرف برائی، ایک طرف انسان ہے اور دوسری طرف شیطان، ہم انسان ہیں اور غلطی انسان سے ہی ہوا کرتی ہے، اور اگر کبھی شیطان اپنے جال میں پھانس کر گناہ کی تاریک وادیوں میں لے جائے تو ہمیں ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے بلکہ فوراً توبہ کے دروازے پر دستک دینی چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝ (البقرہ ۲۲۲)

”بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے“

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْكَائِبُ مِنَ الذَّمِّ مَنِ نَبَّ كَمَنْ لَا ذَمَّ نَبَّ لَهُ

”گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔“

(مشکوٰۃ شریف ج 2، ص 730)

ایک حدیث میں ہے ”تمام انسان غلطی کرنے والے ہیں اور بہترین غلطی کرنے والے وہ

ہیں جو خوب توبہ کرنے والے ہیں۔“

پس ہمیں چاہیے کہ گناہ چھوڑ دیں۔ نیکی اخلاص سے سنت کے مطابق کرنے لگ جائیں،

خوب توبہ واستغفار شروع کر دیں، مگر سچے دل کے ساتھ جیسے صاف پانی سے نہاتے ہیں ایسے ہی توبہ

صاف الفاظ میں ہو، سچی ہو، ندامت و شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے اپنی عاجزی و بے بسی کا اس میں

خوب اظہار ہو، یقین واستحضار ہو، مایوسی کا عالم نہ ہو، جو گناہ چھوڑ دیا سو چھوڑ دیا، بوقت توبہ اس گناہ

کے نزدیک جانے کا ارادہ نہ ہو، اس گناہ اور ہر گناہ سے بچنے کی ہمت وقوت بھی رب سے مانگتا رہے۔

توبہ کے معنی لوٹ کے آنے کے ہیں، بندہ جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو حق ﷻ سے

دور چاڑھتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے تو گویا لوٹ کر واپس آ جاتا ہے۔ اور توبہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ

گناہوں کا علم ہو، جو آدمی گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا، اس کے دل میں ندامت پیدا نہیں ہوگی۔ وہ یہ کہے گا

کہ میں نے کون سا قصور کیا ہے کہ توبہ کروں؟ بے شمار لوگ ایسے ہیں جو گناہ سے واقف ہی نہیں، یعنی

یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم گناہ کر رہے ہیں، اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے بہت سے گناہوں کو حدیث کی

کتابوں میں بیان فرمایا ہے تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ یہ چیزیں گناہ ہیں۔

بہت سے گناہ ایسے ہیں جو انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو زبان

سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو کان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے پیٹ سے تعلق رکھتے

ہیں، بہت سے شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان گناہوں کا ہمیں علم ہو اور اللہ ﷻ نے اور اس کے

رسول ﷺ نے ان گناہوں پر جو وعیدیں سنائی ہیں کہ ایسا کرنے والے کو یہ سزا ملے گی۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہوں اور اس بات کا یقین ہو کہ یہ سزائیں جو ذکر فرمائی گئی ہیں اگر اللہ ﷻ نے معافی عطا نہ فرمائی تو پھر ان سزائوں کا ہم سے تحمل نہیں ہو سکے گا۔ اللہ ﷻ میں نیک اعمال کی توفیق دے اور تمام صغائر و کبائر سے بچنے کی توفیق دے۔ (آمین)

قرآن کے احکامات اور ممنوعات سب مخلوق کے فائدہ کے لئے ہیں ان پر عمل کرنا نہ صرف مرنے کے بعد دوبارہ آنے والی زندگی کے لئے مفید ہے بلکہ اگر غور و خوض کیا جائے تو بیشتر کے فوائد اس دنیا کی زندگی میں ہی محسوس ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو ممنوعات یعنی اللہ ﷻ کی منع کردہ چیزیں ہیں وہ بھی ہمارے اپنے مفاد کے لئے ہیں جن کے دنیاوی فائدے بے شمار ہیں۔ زنا، شراب نوشی، جوا، سود، جھوٹ، خیانت و بددیانتی اور عیاشی و فحاشی وغیرہ قرآن کریم کے مطابق حرام ہیں، یہ شیطانی افعال ہیں ان سے بچنا یقینی طور پر فائدہ مند ہے۔ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں مسلمانوں کی تہذیب میں از اول تا آخر ایسے لوگوں کا کوئی احترام نہیں ہے۔ بلکہ یہ لوگ عام مسلمانوں میں بے وقعت اور بے حیا سمجھے جاتے ہیں۔

مسلمان تو قرآن کریم کے مطابق احکامات کے پابند ہیں لیکن دوسرے مذاہب کے لوگ بھی جو شرافت و اخلاق کو اہمیت دیتے ہیں ان افعال کو ذلیل اور ردیل سمجھتے ہیں۔

اسی لئے احقر نے کوشش کی ہے اللہ ﷻ کے جو احکامات و ممنوعات قرآن کریم نے پیش کئے ہیں ان میں سے چالیس ممنوعات کو اس کتاب میں جمع کیا ہے تاکہ کم سے کم وقت میں ان کا مطالعہ کر کے ان پر عمل پیرا ہو سکیں اور ان پر عمل نہ کرنے یا روگردانی کرنے کے مہلک نتائج کو زیر غور لائیں، جس میں قریباً ہم سب لوگ گرفتار ہیں۔ اللہ ﷻ ہم سب کو اپنے معمولات کو قرآن کریم کے ان احکامات و ممنوعات کے سانچے میں ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے، اور خاتمہ بالا ایمان فرمائے۔ (آمین)

بے عمل دل ہو تو جذبات سے کیا ہوتا ہے دھرتی نجر ہو تو برسات سے کیا ہوتا ہے
ہے عمل لازمی تکمیل تمنا کے لئے ورنہ رنگین خیالات سے کیا ہوتا ہے

محمد اکرام غفرلہ ۲ ربیع الاول بروز بدھ ۱۴۳۱ھ

مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال ضلع چکوال

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کبھی نہ چھوڑو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ طُو أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (آیت نمبر ۱۰۴، آل عمران پ ۴)

”اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف دعوت دیتا ہو اور حکم کرتا ہو اچھے

کاموں کا اور منع کرتا ہو برے کاموں سے اور یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں۔“

اللہ ﷻ نے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنے احکام بھیجے ہیں۔ جو قرآن مجید اور حدیث نبوی

ﷺ کے ذریعہ بندوں تک پہنچے ہیں۔ ان میں جو کام کرنے کے ہیں ان کو معروف یعنی نیکی کہا جاتا

ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ کی پسندیدہ چیزیں ہیں اور جو کام ایسے ہیں جن کا کرنا منع ہے۔ اسلام سے اس کا

جوڑ نہیں کھاتا، یہ اللہ تعالیٰ کو نا پسندیدہ اور نا پسندیدہ ہیں۔ معروف میں فرائض، واجبات، سنن، مستحبات

سب داخل ہیں اور منکر میں حرام، مکروہ (تحریمی و تنزیہی) سب داخل ہیں۔ سب سے بڑی نیکی فرض

اور واجب کو انجام دینا ہے اور سب سے بڑا گناہ کسی بھی حرام کام کا ارتکاب کرنا ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہر مسلمان کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خود اللہ ﷻ

کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرے۔ نیکیاں کرتا رہے، گناہوں سے بچتا رہے

۔ اور دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اوروں کو بھی خیر کی دعوت دیتا رہے اور برائیوں سے روکتا رہے۔ خود

نیک بن جانا اسلامی معاشرہ باقی رکھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ دوسروں کو بھی خیر کی دعوت دیتے

رہیں اور نیکیوں کا حکم کرتے رہیں اور برائیوں سے روکیں۔ تب اسلامی معاشرہ باقی رہے گا۔ چونکہ

انسان کے اندر حیوانی جذبات بھی ہیں اور اس کے پیچھے شیطان بھی لگا ہوا ہے۔ اس لئے بہت سے

لوگ فرائض و واجبات چھوڑ بیٹھتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو صحیح راہ پر باقی

رکھنے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

”یعنی تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے (یعنی برائی کرنے

والے کو اپنے ہاتھ کی طاقت سے روک دے) اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے (رواہ مسلم) یعنی برائی کرنے سے روک دے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ (صرف دل سے برا جان کر خاموش رہ جانا اور ہاتھ یا زبان سے منع نہ کرنا) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ ہر شخص کی ذمہ داری حدیث شریف میں بتادی کہ جو شخص کسی منکر کو دیکھے، اس کو اپنی طاقت کے بقدر روک دے۔ اس آیت میں ایک جماعت ایسی موجود ہونے کا بھی حکم فرمادیا جو دعوت الی الخیر کرتی ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا خصوصی کام ہو۔ یہ جماعت فرض کفایہ کے طور پر ہر علاقہ کے افراد کو دعوت خیر دے سکے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے سکے۔ جماعت سے یہ مراد نہیں کہ دور حاضر کے انداز کی کوئی جماعت ہو جس کا صدر ہو، سیکرٹری ہو، ممبران ہوں دفتر ہو، جماعت کا کوئی نام یا یونیفارم ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کام کے کرنے والے بقدر ضرورت امت میں موجود رہیں۔ حکومت ایسے افراد مہیا کرے۔ حکومت نہ کرے تو مسلمان خود ایسی جماعت قائم رکھیں جو اس فریضہ کو انجام دیتی رہے۔ اور چھوٹی موٹی جماعت نہ ہو بلکہ اتنی بڑی جماعت ہو کہ اہل اسلام کے جتنے افراد رہتے اور بستے ہوں ان تک بات پہنچانے کے لئے کافی ہوں۔

بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں اور دوسرے بھی ان کو نیک جانتے ہیں۔ انہیں اپنی عبادت اور ذکر اور ورد کا تو خیال ہوتا ہے، لیکن دوسروں کو حتیٰ کہ اپنی اولاد کو بھی گناہوں سے نہیں روکتے۔ بڑے تہجد گزار ہیں، لمبے لمبے نوافل پڑھتے ہیں، خانقاہ والے مرشد ہیں، لیکن لڑکے خانقاہ ہی میں ڈاڑھی موٹڈ رہے ہیں۔ لڑکیاں بے پردہ ہیں لیکن ابا جان ہیں کہ اپنی نیکی کے گھنڈے میں مبتلا ہیں۔ کبھی حرف غلط کی طرح بھی برائیوں پر روک ٹوک نہیں کرتے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے کا وبال:

سورہ انفال میں فرمایا:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

”اور تم ایسے وبال سے بچو جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب

ہوئے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔“

اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ گناہوں کی وجہ سے جو فتنے آئیں گے وہ صرف انہی لوگوں کی ذات تک محدود نہ رہیں گے جو گناہوں میں ملوث ہوں گے۔ بلکہ دوسرے لوگ بھی ان کی پلیٹ میں آجائیں گے۔ اس آیت کی تفسیر میں صاحب معالم المتزیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے اگرچہ آخرت میں فرمانبردار اور نافرمان الگ کر دیئے جائیں گے۔ ارشاد باری ہے:

وَأَمَّا زُوا الْيَوْمِ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۝

اللہ ﷻ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ منکر یعنی خلاف شرع کسی کام کو اپنے درمیان باقی نہ رہنے دیں ورنہ اللہ ﷻ سب پر عام عذاب بھیج دے گا جو ظالم کو بھی پہنچے گا اور غیر ظالم کو بھی۔“

قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف نہ کرنا اور برائیوں سے نہ روکنا سخت وبال کی چیز ہے۔ اس دنیا میں عہدے اچھے لگتے ہیں، لیکن جب ان کا وبال آخرت میں سامنے آئے گا تب پچھتاوا ہوگا۔ جس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ہر مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پابند ہے۔ اور اس فریضہ کو چھوڑ دینا، آخرت سے پہلے دنیا میں بھی عذاب آنے کا ذریعہ ہے۔ اگر اس فریضہ کو چھوڑ دیا جائے تو دعائیں تک قبول نہیں ہوتیں۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس قوم میں کوئی ایک شخص گناہ کرتا ہے جسے روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے وہ لوگ نہ روکیں تو مرنے سے پہلے ان لوگوں پر عذاب آئے گا۔ (رواہ ابو داؤد، ص ۲۴۰ ج ۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کہ اللہ ﷻ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں فلاں بستی کا تختہ اس کے رہنے والوں کے ساتھ الٹ دو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! ان میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے بقدر آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اسے بھی عذاب میں شریک کر لیا جائے)۔ ش کا ارشاد ہوا کہ اس بستی کو اس شخص اور باقی رہنے والوں پر الٹ دو کیونکہ اس کے چہرہ پر میرے (احکام) کے بارے میں کبھی کسی وقت شکن بھی نہیں پڑی۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر)

حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ ﷻ تمہارے اوپر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اس سے دعا کرو گے تو وہ دعا قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

معلوم ہوا کہ بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ایسا اہم اور ضروری کام ہے کہ اس کے نہ ہونے سے نیکیاں کرنے والے بھی عذاب کی لپیٹ میں آسکتے ہیں اور جب عذاب آئے گا تو جو دعائیں کی جائیں گی، وہ بھی قبول نہ ہوں گی۔ عموماً لوگ خود گناہوں میں مبتلا ہیں، نمازیں چھوڑے ہوئے ہیں، زکوٰتیں نہیں دیتے، جھوٹ بولتے ہیں، جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں۔ ان گواہوں کے ذریعہ پیسہ کماتے ہیں، ڈاکے پڑ رہے ہیں، مال لوٹے جا رہے ہیں، چوریاں ہو رہی ہیں، قانون شریعت کی اجازت کے بغیر قتل ہو رہے ہیں اور کوئی شخص بولنے والا نہیں۔ ایسی صورت میں عذاب سے کیسے حفاظت ہو؟ اور عذاب آئے تو دعائیں کیسے قبول ہوں؟

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کسی قوم میں گناہ کرنے والا ہو اور جو لوگ وہاں موجود ہوں، قدرت رکھتے ہوئے اس کے حال کو نہ بدلیں یعنی اس سے گناہ کو نہ چھڑوائیں، تو اللہ ﷻ ان کی موت سے پہلے ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲۴۰، ج ۱۲ از تحفۃ المسلمین کتاب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر)

اللہ ﷻ ہم سب کو نیکی کرنے کی اور نیکی کا حکم کرنے کی اور برائی سے روکنے اور روکنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

.....☆☆☆.....

گناہ سے نہ بچنے کے بداثرات اور نقصانات

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 إِنَّ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا
 كَرِيمًا ۝ (سورة النساء آیت ۳۱)

”جن کاموں کے کرنے سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تم کو عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔“

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ يَخْتَفُونَ كَثِيرًا مِنَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ إِلَّا اللَّمَمَ ط (سورة النجم-۳۲)

(وہ ایسے لوگ ہیں کہ) جو بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں مگر چھوٹے گناہ (ان سے ہو جاتے ہیں)۔ (معاشرہ کی مہلک بیماریاں)

گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہو۔ اور جس سے رسول اللہ ﷺ منع فرمائیں وہ گناہ صغیرہ ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ جن چیزوں کی حرمت پر تمام آسمانی شریعتوں کا اتفاق ہو، وہ کبیرہ ہیں اور جو گناہ کسی شریعت میں حرام اور کسی میں حرام نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اقوال اور بھی ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے اور زیادہ جامع اور مستحسن تعریف یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر کوئی حد، سخت وعید اللہ ﷻ کی لعنت یا اس کے غضب کا اظہار ہو۔ جبکہ بعض اہل علم نے کہا ہے قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی تشریحات کے ماتحت ہر وہ گناہ بھی کبیرہ میں داخل ہوگا، جس کے مفاسد اور نتائج بد کسی کبیرہ گناہ کے برابر یا اس سے زائد ہوں۔ اسی طرح جو گناہ صغیرہ جرات و پینا کی کے ساتھ کیا جائے، یا جس پر مدامت کی جائے تو وہ بھی کبیرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس پر اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے دنیا میں غصہ یا کوئی حد مقرر کی ہے اور آخرت میں اس پر عذاب مرتب کیا ہے۔ یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہے۔ یا

اس کو کفر کے ساتھ موسوم کیا ہے۔ اور صغیرہ وہ گناہ ہے کہ جس سے منع تو فرمایا مگر اس پر غضب و لعنت وغیرہ جیسے امور کو نہیں فرمایا۔

آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ کبیرہ یعنی بڑے گناہ اور کچھ صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی ہمت کر کے کبیرہ گناہوں سے بچ جائے تو اللہ ﷻ کا وعدہ ہے کہ ان کے صغیرہ گناہوں کو وہ خود معاف فرمادیں گے۔ کبیرہ گناہوں سے بچنے میں یہ بھی داخل ہے کہ تمام فرائض و واجبات کو ادا کرے۔ کیونکہ فرض و واجب کا ترک کرنا خود ایک کبیرہ گناہ ہے۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ جو شخص اس کا پورا اہتمام کرے کہ تمام فرائض و واجبات ادا کرے اور تمام کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچالے تو حق تعالیٰ جل شانہ اس کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ کر دیں گے۔

(گلدستہ تفاسیر، تفسیر سورہ نساء)

آج کل گناہ گاری کا دور دورہ ہے، نفس اور شیطان کے بندے بنے ہوئے ہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جنہیں اللہ ﷻ کا ڈر ہے اور آخرت کی فکر ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ یہ مصیبتیں اور آفتیں گناہوں کی وجہ سے ہیں تو بہت سے لوگ مان بھی لیتے ہیں اور ٹھنڈی سانس بھی بھرتے ہیں۔ لیکن نہ گناہ سے خود بچتے ہیں نہ گھر والوں کو بچاتے ہیں۔ اور نہ دوسروں کو گناہ چھوڑنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ گناہوں میں برابر ترقی ہو رہی ہے، ان کے نتائج بھی سامنے ہیں لیکن ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں۔ اس بارے میں رسول کریم ﷺ کے ارشادات پیش کئے جاتے ہیں اللہ ﷻ مسلمانوں کو معاصی (گناہ) چھوڑنے کی ہمت عطا فرمائے، نفس کا بندہ اور شیطان کا مرید ہونے کی بجائے اللہ ﷻ کا بندہ بنیں اور اس کے دین پر چلیں۔

حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سوال کیا کہ ہم اس وقت بھی ہلاک ہو سکتے ہیں جب کہ ہمارے اندر صالحین (نیک لوگ) موجود ہوں؟ حضور اقدس ﷺ نے جواب دیا۔ ہاں! جب خباثت زیادہ ہو جائیں۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں میں جب خباثت کا غلبہ ہو جائے تو معدودے چند افراد کی نیکی اور ان کا وجود بربادی کو نہیں روک سکتا۔ خباثت یعنی فسق و فجور اور کبیرہ گناہوں کی پلیدی جب غلبہ

پالے اور نیک بندے خال خال ہی رہ جائیں تو ہلاکت اور بربادی آجائے گی اور ایسا نہ ہوگا کہ نیکو کار بچ جائیں اور صرف گناہ گار برباد ہو جائیں، بلکہ سب پر مصیبت آئے گی۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

”جب اللہ ﷻ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتے ہیں تو ان سب کو پہنچتا ہے جو ان میں رہتے ہیں۔ پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہر ایک کا حشر ہوگا۔“

یعنی عمومی مصیبت میں تو سب ہی مبتلا ہوں گے۔ پھر قیامت کو اپنی اپنی نیت اور اپنے اپنے عمل کے مطابق بدلہ پائیں گے۔ معلوم ہوا کہ گناہوں اور نافرمانیوں کی کثرت ہو جانا عمومی عذاب آجانے کا خاص سبب ہے اور عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ ایسی آفت و مصیبت کا عذاب جو ہر نیک و بد کو ہلاک کر دے۔

جب کہا میں نے کہ یا اللہ! تو میرا حال دیکھ

حکم آیا میرے بندے! اپنا نامہ اعمال دیکھ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور خدا نہ کرے تم مبتلا ہو تو پانچ چیزیں بطور نتیجہ ضرور ظاہر ہوں گی۔ (پھر ان کی تفصیل فرمائی کہ) جب کسی قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کے کام ہونے لگیں تو ان میں ضرور طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل پڑیں گی جو ان کے باپ دادوں میں نہیں ہوئیں۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے تو قحط اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعے ان کی گرفت کی جائے گی۔ اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک لیں گے، ان سے بارش روک لی جائے گی (حتیٰ کہ) اگر چوپائے (گائے، بیل گدھا، گھوڑا وغیرہ) نہ ہوں تو بالکل بارش نہ ہو۔ اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دے گی، خدا تعالیٰ ان پر غیروں میں دشمن مسلط فرمائے گا۔ جو ان کی بعض مملوکہ چیزوں پر قبضہ کر لے گا۔ اور جس قوم کے باقتدار لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف فیصلہ دیں گے۔ اور احکام خداوندی میں اپنا اختیار و انتخاب جاری کریں گے، تو وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے (ابن ماجہ)

اس حدیث پاک میں جن گناہوں اور مصیبتوں پر اور ان کے مخصوص نتائج کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اپنے تمام نتائج کے ساتھ اس زمین پر بسنے والے انسانوں میں موجود ہیں جن کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ (تختہ المسلمین جلد دوم کتاب آثار الاثام وظہور نتائجہانی الانام)

وہ کیا چیز تھی جس نے قوم لوط (اللیلۃ) کی بستوں کو اتنا اونچا اٹھایا کہ آسمان کی بلندی پر قدسیوں نے ان کی بہتی کے کتوں کی آوازیں سنیں۔ پھر وہاں سے اس بہتی کو الٹ کر اوندھا کر دیا۔ ایک ایک تنفس ہلاک ہوا۔ اس پر متراد یہ کہ آسمان سے ان پر مسلسل پتھروں کی بارش ہوتی رہی اور اس طرح اس قوم کو جتنی بڑی سزا ملی۔ دنیا کی کسی قوم پر ان جیسا سخت عذاب نازل نہیں ہوا۔ اور جو قوم بھی اس عادت بد کا شکار ہوگی، اسی قسم کی عبرت ناک سزا کی مستحق ہوگی کیونکہ ظالموں سے خدا کا عذاب کچھ دور نہیں ہے۔

وہ کیا چیز تھی جس نے دھرتی کے تمام ہی باشندوں کو طوفان میں ایسا غرق آب کیا کہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں تک جا پہنچا۔ عادی قوم پر ایسی آندھی آئی جس میں اس قوم کے ایک ایک قدم آوار اور بلندو بالا فرد کو بھی کھجور کے لمبے لمبے تنے کی طرح مردہ اور بے حس و حرکت زمین میں ڈال دیا۔ ان کی آبادی، کھیت اور چوپائے اور مویشی غرض ایک ایک چیز کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اور قوم کا ہر تنفس تاقیامت آنے والے انسانوں کے لئے عبرت کا سامان بنا۔ وہ کون سی چیز تھی جس نے خود کی قوم پر ایسی چیخ اور چنگھاڑ مسلط کی جس کی تیز آوازوں نے ان کے دل، سینے اور پیٹ کو چیر کر رکھ دیا۔ اور قوم کا آخری آدمی بھی عذاب کی آہنی گرفت سے بچ نہیں سکا۔ (معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج)

کوئی مخلوق یا قوم جب احکام الہی کو توڑ دیتی ہے تو اللہ ﷻ کے ہاں اس کی کیا عزت رہ جاتی ہے۔ بھلا سوچو پہلی قوموں کو شان و شوکت حاصل نہیں تھی، کیا ان کے اپنے بادشاہ نہیں تھے؟ لیکن جب انہوں نے احکام خداوندی کی نافرمانی کی اور اس کو ٹھکرایا تو ان کی کیا درگت بنی۔ ان پر کیسا عذاب آیا اور آج ہم پر جو طرح طرح کے عذاب ہیں۔ وہ کیوں ہیں، کوئی ہے جو عبرت پکڑے اور گناہوں سے بچے۔ اللہ ﷻ ہمیں اپنی اور اپنے محبوب کی نافرمانی سے بچائے۔ (آمین)

محمد ﷺ کے طریقے سے جو بھی قدم ہٹائے گا

کبھی رستہ نہ پائے گا، کبھی منزل نہ پائے گا

اپنی اولاد کو بد عقیدہ ہونے سے بچاؤ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ رَسُولُهُ وَالْكِتَابِ
الَّذِي نَزَّلَ مِن قَبْلُ ۖ وَمَنْ يُكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

”اے ایمان والو! اللہ ﷻ پر، اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ ﷻ اور اس کے فرشتوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“ (سورۃ النساء آیت ۱۳۶، پ ۵)

اسلام میں عقائد کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ عقائد علم ہیں۔ اور باقی سب چیزیں عمل۔ پھر عقائد میں بھی سب کی اہمیت یکساں نہیں۔ ایمان با اللہ، ایمان بالآخرہ، ایمان بالرسول۔ بنیادی اہمیت کے مالک ہیں۔ اس لئے اگر صرف انہی کو ذرا تفصیل سے سمجھ لیا جائے تو پورے نظام عقائد کو سمجھنے کے لئے کافی ہوگا۔

حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ میں اپنے دادا کی کتاب میں (جس میں انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی احادیث جمع کی تھیں) یہ لکھا ہوا پایا کہ جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو ان کو لا الہ الا اللہ سکھاؤ۔ پھر ان کی موت آنے تک فکر مت کرو اور جب ان کے دودھ کے دانت گرنے لگیں تو ان کو نماز کا حکم دو۔

نیز حضرت عمرو بن شعیب سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ حضرت عبدالمطلب کی اولاد سے جب کوئی بچہ بولنے لگتا تھا تو اسے یہ آیت سکھاتے تھے: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَهُوَ الَّذِي يُؤْتِي مَنَ الدُّلَّ وَكَبِيرَهُ تَكْبِيرًا ۝ (رواہ الامام ابن السنی فی عمل الیوم ولیلۃ)

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اسلام کا کلمہ ہے۔ یہ اسلام کے تمام عقائد کو شامل ہے۔ اور عقائد ہی

اصل دین ہیں۔ اگر عقائد صحیح نہ ہوں تو اسلام کا دعویٰ دار ہونا بالکل بے کار ہے۔ محض دعویٰ کرنے سے یا مسلمان کی اولاد ہونے سے کوئی مسلمان نہیں ہو جاتا۔ اسلام کے عقائد کا جاننا اور ماننا فرض ہے۔ پہلی حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ چھوٹے بچے کی جب زبان چلنے لگے اور زبان سے کچھ نہ کچھ کلمات ادا کرنے لگے تو اس کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ سکھائیں۔ دیکھئے بچہ ابھی نا سمجھ ہے لیکن اسے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ یاد کرایا جا رہا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بچپن ہی سے اگر دینی عقائد سے مانوس نہ کیا تو بڑا ہو کر دوسرے راستہ پر چلنے لگے گا۔ جب بچہ بولنے لگے تو یہی نہیں کہ صرف لفظ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ سکھائیں بلکہ اس کا ترجمہ بھی یاد کرائیں۔ اور اس کا مطلب بھی سمجھادیں۔ جیسے جیسے بچہ ہوش سنبھالے اسے اسلام کے عقیدے سکھاتے چلے جائیں۔ حدیث شریف میں یہ جو فرمایا کہ جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو ان کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ سکھا دو، پھر ان کی موت آنے تک فکر مت کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شروع میں جب عقیدہ ٹھیک کر دیا اور اسلام کا عقیدہ سکھا دیا تو اب کوئی ڈر نہیں اس کے ایمان کی چٹنگی ایمان ہی پر زندہ رہنے دے گی اور اسی پر موت آنے کی انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری حدیث میں بچہ کو آیت وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي (آخر تک) جس کی بچے کو سکھانے کی تعلیم دی اس میں بھی توحید خالص بیان کی گئی ہے اور اللہ ﷻ کی ذات و صفات کے بارے میں جو عقائد ہونے چاہئیں، وہ بتائے گئے ہیں۔ بچے کو بالکل شروع سے اس آیت کو یاد کرانے کی تعلیم دینا اس لئے ہے کہ مسلمان کا کوئی بچہ خدائے پاک کو ذات و صفات کے متعلقہ عقائد سے جاہل و غافل نہ رہے اور موت آنے تک صحیح مسلمان بنا رہے۔

اسلام کے بنیادی تین عقیدے ہیں۔

☆ اول عقیدہ توحید ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ یعنی اللہ کو وحدہ لا شریک ماننا اور اس کی ذات و صفات کے بارے میں ان سب عقیدوں کو تسلیم کرنا جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔

جہاں ایمان ہو، وہاں کیسے گذر یاس و حرمان کا
کسی مومن کو بھی اے دل خدا سے بدگماں پایا

☆ دوم عقیدہ رسالت ”الایمان بالرسول“ یعنی سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ کا آخری نبی ماننا اور آپ ﷺ جو دین اللہ ﷻ کی طرف سے لائے ہیں اسے پورا پورا سچے دل سے تسلیم کرنا۔

مسلم ہے خدا کے بعد جس کی شان یتائی
ہے نام اس کا محمد ابن عبد اللہ بطحائی

☆ سوم عقیدہ آخرت ”الایمان بالآخرة“ یعنی موت کے بعد زندہ ہونے کا عقیدہ رکھنا اور اس بات کو ماننا کہ قیامت قائم ہوگی اور اعمال کا حساب ہوگا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ دوزخ میں عذاب اور جنت میں آرام و راحت ہوگا۔ ان تین بنیادی عقائد کے ذیل میں اور بہت سے عقائد ہیں جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں، ان کا ماننا بھی فرض ہے۔

(استفادہ: تحفۃ المسلمین کتاب التریبہ والاولاد)

نہ اس گھر کو بھی بھولو جس کے آگے
یہ دو ساعت کا گھر کچھ بھی نہیں

اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ جب تک عقیدہ صحیح نہ ہو اس وقت تک کوئی صدقہ خیرات، کوئی حج اور عمرہ اور کوئی جہاد قبول نہیں۔ اس لئے قرآن پاک میں ہمیشہ اعمال صالحہ سے پہلے ایمان کا ذکر ہے۔ عبد اللہ بن جدعان ایک قریشی تھا جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کئے تھے مگر تھا مشرک۔ اس کی نسبت آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ﷺ عبد اللہ بن جدعان نے جاہلیت میں نیکی کے جو کام کئے، ان کا ثواب اس کو ملے گا۔ فرمایا نہیں اے عائشہ! کیونکہ کسی دن اس نے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! میرے گناہوں کو بخش دے۔ (اس سے مراد توحید کا اقرار ہے کیونکہ وہی اسے گناہوں کے بخشانے پر آمادہ کرتی ہے۔)

یعنی چونکہ اسے اللہ ﷻ کی ذات پر ایمان نہیں تھا اس لئے اس کی یہ نیکیاں قبول نہیں۔ بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جس کی بہادری کی دھوم تھی، حاضر ہو کر کہا کہ اے محمد! ﷺ میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لئے چلنا چاہتا ہوں تاکہ غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے۔ فرمایا کیا تم

اللہ ﷻ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا واپس جاؤ میں اہل مشرک سے مدد کا خواہستگار نہیں۔ دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلے والی درخواست کی۔ مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی درخواست پر بہت خوشی ہوئی اور وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہو جائے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے پھر نفی میں جواب دیا۔ آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ میں کسی مشرک سے مدد نہ لوں گا۔ غالباً مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ ﷺ کی بے نیازی نے اس کے دل پر اثر کیا۔ تیسری دفعہ اس نے پھر درخواست پیش کی اور آپ ﷺ کے دریافت فرمانے پر کہ کیا تم اللہ ﷻ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ چنانچہ نورا اسلام سے منور ہونے کے بعد اسے جہاد کی اجازت دی۔

اسی طرح اس شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم ہے، بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

سورہ نور میں ایمان سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب سے دی گئی ہے کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں۔

بہت سے ماں باپ بچوں کو اسلام کے عقیدے نہیں سکھاتے بلکہ خود بھی اسلامی عقیدے نہیں جانتے۔ گریجویٹ ہو جاتے ہیں، پی، ایچ، ڈی کر لیتے ہیں۔ لیکن توحید و رسالت اور آخرت کے بارے میں جو عقائد ہیں ان سے بے خبر ہوتے ہیں اور اسی ناواقفی کی وجہ سے ہر مدعی اسلام کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ چاہے اسلامی عقیدوں کا منکر ہی ہو۔ جب حضور ﷺ کو اللہ ﷻ کا رسول مان لیا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی کتابوں اور اس کے فرشتوں اور اس کے تمام رسولوں کے بارے میں اور حشر نشر یعنی قیامت وغیرہ کے بارے میں جو کچھ آپ نے بتایا ہے ان سب کا ماننا فرض ہو گیا۔ بہت سے لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ اسلامی عقائد کا مذاق بناتے ہیں اللہ ﷻ اور رسول ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسے لوگ شرعاً مسلمان نہیں ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ یہ لوگ بے دینوں، ملحدوں، دہریوں کو بھی مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ زبان سے کلمہ کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے، کلمہ پڑھنا مسلمان

ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس کلمہ کی تشریح جو قرآن وحدیث میں آئی ہے، اس کو دل سے ماننے سے مسلمان ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں جو حضور اقدس ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے۔ اور آپ ﷺ کے بعد بھی بعض مدعیان نبوت کو نبی مانتے ہیں۔ یہ سب لوگ کافر ہیں اور ان کو مسلمان سمجھنا بھی کفر ہے۔

میرے مسلمان بھائیو! یہ فتنوں کا دور ہے۔ ہر طرف عقائد میں فساد پیدا کرنے والے فتنوں کی بھرمار ہے۔ کہیں شرکیہ رسم درواج اور خیالات کا فتنہ ہے۔ کہیں انکار حدیث کا فتنہ ہے۔ کہیں الحاد ودہریت کا فتنہ ہے۔ ہر طرف فتنے ہی فتنے ہیں۔ کوشش کیجئے کہ کہیں انجانے پن میں ان میں سے کسی فتنے کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ یاد رکھیں! اگر کسی فتنہ میں مبتلا ہو کر آپ کے عقیدے میں خرابی آگئی تو کوئی نیکی کام نہیں آئے گی۔ گناہگار شخص کی مغفرت ہو سکتی ہے، مگر کسی بد عقیدہ انسان کی مغفرت کی کوئی صورت نہیں۔ عقائد کا معاملہ بہت نازک ہے، عقائد کی صحت پر دوزخ کے ہمیشہ والے عذاب سے نجات پانا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے نوازا جانا موقوف ہے۔ جس کا عقیدہ کفریہ ہو، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس لئے اپنے عقیدے درست کرنا اور بچوں کو صحیح عقائد سکھانا اس زندگی کا سب سے بڑا فریضہ ہے اور اولاد کے ساتھ سب سے بڑی ہمدردی ہے۔

.....☆☆☆☆.....

Mohra Kor Chasham (Chakwal) Pakistan
 موہڑہ کور چاشم (چکوال)
 پاکستان

شُرک نکرہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
يُنۡبِئُ لَا تُشْرِكُ بِاللّٰهِ ط إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝

(سورۃ لقمان آیت ۱۳)

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے! خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، بے شک شرک کرنا ظلم عظیم یعنی بڑا بھاری ظلم ہے، حضرت لقمان نے شرک کو ”ظلم عظیم“ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد حقیقی توحید پر ہے اسی پر دین کا دارومدار ہے۔ توحید میں اگر خلل پڑ جائے تو دین باقی نہیں رہ سکتا۔ اس واسطے جب سے دین ہے تب سے توحید ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اسی توحید کو لے کر آئے، اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی توحید کا عہد کیا کہ وہ خود بھی توحید پر قائم رہیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی توحید کی دعوت دیں، جس کو فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْٓ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝

(سورۃ الانبیاء آیت ۲۵)

کوئی رسول ہم نے آپ سے پہلے ایسا نہیں بھیجا کہ جس کو ہم نے یہ نہ بتلایا ہو کہ ”لا الہ الا انہ“ میرے سوا کوئی معبود نہیں، اسی ایک کی عبادت کرو، اسی ایک کی طرف جھکو۔ اس آیت میں بتلایا کہ اس دین کا دارومدار ہے توحید پر، جس کا ہر رسول سے وعدہ لیا گیا ہے۔ اس لئے توحید خداوندی فی الحقیقت دین کی اصل جڑ اور بنیاد ہے۔ (مسلمان اور شرک ص 10 تا 11 از افادات قاری محمد طیب صاحب)

ذات کی توحید :

ذات میں شریک کر دینا، دو خدا مان لینا جیسے مجوس نے دو خدا مان لئے، عیسائیوں نے تین مان لئے، مشرکین نے لاکھوں کروڑوں مان لئے، یہ شرک جلی ہے کہ ذاتِ خداوندی کے اندر شریک کر دیا گیا ہے۔

صفات کی توحید:

دوسرا شرک ہے صفات میں، کہ ذات تو ایک ہی مان لی مگر صفاتِ خداوندی مخلوق میں مان لی۔ مثلاً فلاں شخص بیٹا دے سکتا ہے، فلاں روزی دے سکتا ہے، فلاں صحت دے سکتا ہے۔ یہ صفات کے اندر شرک ہے اس لئے اولاد دینا، رزق دینا، تندرستی دینا، حیات دینا، موت دینا سب اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے کسی مخلوق کے ہاتھ میں نہیں۔

افعال کی توحید:

اسی طرح ایک شرک ہے افعال کا، کہ ذات بھی ایک مانی اور صفات بھی ایک کے لئے مانی مگر افعال میں شریک کر دیا کسی دوسرے کو۔ حالانکہ اللہ ﷻ کے افعال بھی یکتا ہیں کہ کوئی دوسرا نہیں انجام دے سکتا۔

زمین و آسمان اس نے پیدا کئے بلا شرک غیرے، انسان کو اس نے بنایا، جانوروں کو اس نے بنایا، نباتات اس نے بنائے بلا شرک غیرے، یہ نہیں کہ ان کے بنانے اور تخلیق میں کوئی مدد لی گئی ہو کسی دوسرے سے، تنہا ایک ذات بابرکات نے سارے عالم کو بنایا۔

شان کی توحید:

ساری حمد و ستائش اللہ ﷻ ہی کے لئے ہے جو نہ کوئی اولاد رکھتا ہے، صرف وہی الذی حق ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے اور بندگی کے لائق نہیں۔ وہ ”الحی“ زندہ جاوید ہے۔ ساری کائنات اسی کے حکم سے قائم ہے۔ سب اسی کی شانیں ہیں اور کسی کی شان نہیں۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

(مولانا محمد علی جوہر)

دلائل توحید:

آسمانوں میں غور کیجئے تمام آسمان حقیقت میں اور جسمانی طبیعت کے اعتبار سے ایک ہیں مگر کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا، اور پھر ستارے اور سیارے، چاند اور سورج، زہرہ، مریخ اور مشتری میں غور

کھینچے، ہر ایک کی شان جدا، ہر ایک کا رنگ جدا، ہر ایک کی حرکت جدا، اور ہر ایک حرکت کی سمت اور جہت جدا، ہر ایک کا برج جدا، ہر ایک کا طلوع اور غروب جدا، اس عجیب و غریب نظام کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کارخانہ خود بخود تو نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم و قدیر (جاننے والے اور قدرت والے) اور مدبر حکیم (تدبیر کرنے والے اور حکمت والے) کے ہاتھ میں اس کی باگ ڈور ہے کہ وہ صرف اپنے ارادہ اور مشیت (چاہنے) سے اس کارخانہ کو چلا رہا ہے اور (اس میں) کوئی اس کا شریک اور حصہ دار نہیں ہے۔

اسی طرح زمین کی پیدائش بھی اس کی وحدانیت (یکتا ہونے) اور رحمت کی دلیل ہے۔ زمین کے قطعات (ٹکڑوں) کا مختلف رنگوں اور خاصیتوں کا ہونا کہ کسی زمین سے گھاس پیدا ہوا اور کسی سے انسان، اور کسی سے بادام پیدا ہوا اور کسی سے آم، کسی زمین کے بسنے والے عقل مند اور کسی جگہ کے بسنے والے ایسے نادان ہیں کہ بعض چیزوں میں حیوان بھی ان سے بہتر نکلے، یہ اختلافات کہاں سے آئے اور کس طرح آئے؟ زمین کا مادہ اور طبیعت تو ایک ہی ہے، پھر وہ کون سی ذات ہے کہ جس نے زمین کے ایک ٹکڑے کو بنجر بنایا اور دوسرے کو سبزہ زار اور مرغزار بنایا؟ یہ سب اسی علیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ جس کی قدرت اور حکمت کو سمجھنے سے تمام دنیا عاجز ہے۔ یہ دلیل اس طرح سے ہے کہ تمام دنیا کے بسنے والے اسی زمین پر چل کر اپنی حاجتیں پوری کرتے ہیں، اسی سے پیدا شدہ غذاؤں، پھلوں، چشموں اور نہروں سے نفع اٹھاتے ہیں اور تمام سونا، چاندی وغیرہ سب اسی زمین میں اللہ ﷻ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے۔

کانوں کا مختلف ہونا اس کی وحدانیت (یکتا ہونے) کی دلیل ہے اور ان کا نافع اور مفید ہونا اس کی رحمت کی دلیل ہے، آسمان اور زمین علیحدہ علیحدہ بھی رحمت ہیں اور دونوں مل کر بھی رحمت ہیں، اس لئے آسمان اور زمین کے تقابل سے جو منافع اور فوائد پیدا ہوتے ہیں عقل ان کو جاننے سے عاجز ہے۔

اسی طرح رات اور دن کا مختلف ہونا کہ کبھی دن ہے اور کبھی رات، کبھی دن بڑا، رات چھوٹی اور کبھی رات بڑی اور دن چھوٹا۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے یا کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں اس کی

ڈور ہے؟ اگر دن نہ ہوتا اور صرف رات ہوتی تو پوری دنیا ہمیشہ ظلمت اور تاریکی کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتی اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔ اور اگر رات نہ ہوتی، صرف دن ہی دن ہوتا تو تمام جہان گرمی سے بلبلا اٹھتا اور کھیتیاں جل کر خاک ہو جاتیں اور اس راحت اور آرام سے جو کہ رات کی نیند سے حاصل ہوتا ہے تمام جہان یک لخت (ایک دم) محروم ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ رات دن کا اختلاف جس طرح اس کی وحدانیت کی دلیل ہے اسی طرح اس کی رحمانیت (مہربان ہونے) کی بھی دلیل ہے۔

(ماہنامہ علم و عمل ربیع الاول ۱۴۳۰ھ لاہور)

ہو دعویٰ توحید مبارک تمہیں اکبر

ثابت بھی کرو اس کو مگر طرز عمل سے

(اکبر الہ آبادی)

بہر حال قرآن مجید نے توحید کے ہر پہلو پر پورا پورا زور دیا ہے اور کسی قسم کے شرک کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور خاص طور پر ”توحید فی الدعا اور توحید فی العبادہ“ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور یہ اس لئے کہ شرک میں مبتلا ہونے والی دنیا کی قومیں اور امتیں شرک فی الدعا اور شرک فی العبادہ ہی میں زیادہ تر مبتلا ہوتی ہیں اور ہمیشہ ناخدا شناس اور کمزور انسانوں سے یہی شرک زیادہ ہوا کہ انہوں نے اللہ ﷻ کے سوا اور ہستیوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے دعائیں کیں اپنی حاجتیں اور مرادیں ان سے مانگیں، انہیں راضی اور خوش کرنے کے لئے طرح طرح سے ان کی عبادت اور پوجا کی۔ ان کے آگے سجدے کئے ان کے نام کی خیر خیرات کی اور ان کے لئے نذریں اور منیوں مانیں۔ آج بھی بڑی مشرکانہ گمراہیوں میں سے یہی گمراہی سب سے زیادہ عام ہے۔ حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والوں میں بھی ایک تعداد اس شرک میں مبتلا ہے۔ سورہ رعد میں ایک جگہ ارشاد ہے:

”حاجتوں اور ضرورتوں میں صرف اس اللہ ﷻ کو پکارنا سچا پکارنا ہے اور اس کے سوا جن ہستیوں کو وہ مشرک پکارتے ہیں اور جن سے دعائیں کرتے ہیں وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکتیں“۔ اور سورہ اعراف میں ایک جگہ ارشاد ہے: ”اور اللہ ﷻ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو

اور جن سے دعائیں کرتے ہو اور مدد مانگتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور اپنی بھی مدد کرنے سے وہ عاجز اور بے بس ہیں۔ پس ان سے مدد مانگنا تمہاری کسی حماقت ہے۔“

(درس قرآن جلد ہشتم ص ۴۱۲-۴۱۱)

الغرض قرآن وحدیث کی روشنی میں اخروی فلاح ونجات کا مدار دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک ایمان یعنی عقائد، دوسرے اعمال صالحہ اور اعمال کو ایمان سے وہی رشتہ اور تعلق ہے جو شاخوں کو اور مکان کی دیواروں کو بنیادوں سے ہوتا ہے۔ شاخوں کی تروتازگی اور شادابی جن کی تروتازگی اور مضبوطی پر موقوف ہے اور دیواروں کی پائیداری اور چھت کا قیام بنیادوں کی مضبوطی اور استواری پر موقوف ہے۔ اگر درخت کی جڑیں تندرست اور مضبوط ہوں گی تو اس کی شاخیں خوب پھیلیں پھولیں گی۔ اور اگر بنیادیں مضبوط ہوں گی تو دیواریں پائیدار اور چھت دیر پا ہوگی۔ لیکن اگر درخت کی جڑیں کمزور، کرم خوردہ ہوں گی تو شاخیں مرجھا جائیں گی اور پھل پھول نہ سکیں گی اور اگر مکان کی بنیادیں کمزور اور کھوکھلی ہوں تو دیواروں اور چھت کا بھی یہی حال ہوگا اور ایسا کمزور بنیادوں والا مکان رہائش کے قابل نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی کا ایمان شرک کی ناپاکی سے ملوث ہوگا تو اس کے اعمال بھی بے کار اور بے نتیجہ ثابت ہوں گے۔ تو جب شرک ایسی لعنت اور بری بلا ہے اور ایسا سنگین جرم ہے جس سے دنیا میں اگر توبہ نہ کر لی جائے تو آخرت میں ہرگز معاف نہ ہوگا، تو شرک سے بچنا کس قدر ضروری ہو اور صحیح توحیدی عقائد کا حاصل کرنا کتنا لازم ہوا۔

حق تعالیٰ جل شانہ، ہمیں توحید خالص کی دولت عطا فرمائیں اور ہر طرح کے خفی اور جلی شرک سے ہمارے اعمال وعقائد کو محفوظ رکھیں اور ہم کو قرآن وحدیث سے تازندگی وابستہ رکھیں اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وقت فرصت کہاں ، کام ابھی باقی ہے

نورِ توحید کا اتمام ، ابھی باقی ہے

.....☆☆☆.....

اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
 قُلْ يَبْعَادَى الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ
 الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ (سورہ زمر آیت ۵۲)

”کہہ دے (اے نبی!) میرے بندو جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر، آس مت توڑو واللہ (ﷻ) کی مہربانی سے بیشک اللہ (ﷻ) بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف کرنے والا مہربان“۔

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی:

یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگزر کی شان عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں اکسیر شفا کا حکم رکھتی ہے۔ مشرک، طہر، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی، بد معاش، فاسق، فاجر کوئی بھی ہو آیت ہذا کو سننے کے بعد خدا تعالیٰ جل شانہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کے لئے کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اللہ (ﷻ) جس کے چاہے سب گناہ معاف کر سکتا ہے، کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ پھر بندہ ناامید کیوں ہو؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے دوسرے اعلانات میں تصریح کر دی گئی کہ کفر و شرک کا جرم بدون توبہ کے معاف نہیں کرے گا۔ لہذا: إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا طٰمٰن یٰۤاٰمِنِ السَّاعٰتِ کے ساتھ مقید سمجھنا ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ط

اس قید سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدون توبہ کے اللہ (ﷻ) کوئی چھوٹا بڑا قصور معاف ہی نہ کر سکے۔ اور نہ یہ مطلب ہوا کہ کسی جرم کے لئے توبہ کی ضرورت ہی نہیں، بدون توبہ کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ قید صرف مشیت کی ہے اور مشیت کے متعلق دوسری آیات میں بتلایا گیا کہ وہ کفر و شرک سے بدون توبہ کے متعلق نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

لوگوں کو مایوس نہ کرو:

روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے وہاں ایک واعظ دوزخ کا اور دوزخ کے طوق و زنجیر کا ذکر کر رہا تھا۔ آپ جا کر اس کے سر کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کہا اے وعظ کرنے والے! لوگوں کو ناامید کیوں کر رہا ہے پھر آپ نے یہ آیت قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ پڑھی۔

حضرت جناب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ایک آدمی نے کہا خدا کی قسم اللہ فلاں شخص کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا یہ کون ہے جو میری قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص کی مغفرت نہیں کروں گا میں نے اس شخص کو بخش دیا (اے کہنے والے) تیرے اعمال کو کارت کر دیا۔ اوکا قال علیہ السلام۔ (رواہ مسلم)

میں خطا کار، سیہ کار، گنہگار، مگر
کس کو بخشے تیری رحمت جو گنہگار نہ ہو
(جگر مراد آبادی)

ڈرنے والے گھنگا رکی مغفرت:

بخاری اور مسلم نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی جب مرنے لگا تو اس نے گھر والوں کو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد جلاڈالنا۔ پھر جلی ہوئی خاک کو آدمی سمندر میں اور آدمی خشکی میں اڑا دینا۔ کیونکہ اگر خدا کا بچہ پرتابو چل گیا تو خدا کی قسم! وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو سارے جہان میں کسی کو نہیں دے گا۔ جب وہ شخص مر گیا اور گھر والے وصیت کے مطابق عمل کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا، سمندر نے وہ خاک بیجا کر دی جو اس میں بہائی گئی تھی اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کی ساری خاک جمع کر دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا اے میرے رب! تیرے ڈر سے، تو خوب واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو بخش دیا۔ (گلدستہ تفاسیر جلد ۶ ص ۲۳۲، ۲۳۳)

ہے میرے دل کو خدا ہی کی رحمتوں کی طلب
کہ وہ وسیع بھی ہیں اور بے حساب بھی ہیں
(اکبر الہ آبادی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی سورتیں ہیں جن میں سے ایک رحمت اللہ تعالیٰ نے جن و انس، چوپاؤں اور کیڑوں کوڑوں پر تقسیم کی ہے۔ اس نازل کردہ رحمت کی وجہ سے یہ آپس میں مہربانیاں اور رحم کرتے ہیں۔ وحشی جانور بھی اسی کی وجہ سے اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے چھوڑ رکھی ہیں اور وہ رحمتیں قیامت کے دن اپنے بندوں پر مبذول فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

عصیاں سے ہم نے کنارہ نہ کیا
پر تو نے دل آزرده ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی، کی بہت تدبیر
پر تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر اللہ بعض نیک لوگوں کے درجات (ان کے اعمال سے زیادہ) اونچے کر دے گا۔ وہ عرض کریں گے اے رب! یہ درجات ہمارے لئے کہاں سے (کیسے) مل گئے؟ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرمائے گا تیرے لئے تیری اولاد کی دعاء و مغفرت کرنے سے۔ (رواہ احمد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کے اندر مردہ ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی ڈوبنے والا فریادی ہو (جو غرق ہونے سے بچنے کے لئے چلا رہا ہو) وہ انتظار کرتا ہے کہ باپ یا ماں یا بھائی یا کسی دوست کی طرف سے دعاء مغفرت اس کو پہنچ جائے۔ یہ دعا اس کو دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور زمین کے رہنے والوں کی دعا سے اہل قبور کو اللہ تعالیٰ پہاڑوں جیسا ثواب عنایت کرتا ہے۔ زندوں کی جانب سے مردوں کو حد یہ یہ ہے کہ ان کے لئے دعاء مغفرت کی جائے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

شریر اور سرکش اللہ ﷻ کی نافرمانیاں کرتے ہیں اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کو توڑتے ہیں، اس کے احکام کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس کے باوجود زندہ رہتے ہیں نہ زمین انہیں نگلتی ہے نہ آسمان سے ان پر بجلی گرتی ہے اور نہ ہی اللہ ﷻ کی طرف سے ان پر کوئی عذاب آتا ہے تو قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ اللہ ﷻ کی صفت رحمت اور بخشش ہی کا صدقہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے بندوں پر اتنا مہربان نہ ہوتا تو ایسے بدکاروں اور نافرمانوں پر فوراً عذاب آجایا کرتا اور انہیں کوئی مہلت نہ دی جاتی۔ لیکن وہ چونکہ بندوں کے ساتھ مغفرت اور رحمت کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اسلئے اس نے گنہگاروں کو اس دنیا میں مہلت دینا طے کر دیا ہے تاکہ جو بھی ان میں سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگ کے اور اپنے رویہ کو درست کر کے کسی وقت اللہ ﷻ کو راضی کرنا چاہے تو وہ کر سکے اور اس کے عذاب سے بچ سکے۔ یقیناً بڑا شقی اور بد بخت ہے وہ انسان جو ایسے رحمت والے پروردگار کی رحمت سے بھی محروم رہے جو اپنے پیغمبر رحمت عالم ﷺ کی زبان سے اپنے خطا کار اور گنہگار بندوں کو یہ پیام دلاتا ہے کہ:

”اپنے پروردگار سے مایوس نہ ہو اور نہ بھاگو، اس نے تو رحمت کو اپنے ذمہ لکھ لیا ہے، اگر نادانی سے تم سے گناہ ہو گئے ہیں تو اب بھی توبہ کر لو اور اپنی حالت ٹھیک کر لو میں بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں۔“

یا اللہ! آپ نے اپنے خطا کار اور گنہگار بندوں کو جو پیام رحمت و مغفرت سنایا ہے ہم اسی کے امیدوار ہیں۔ ہمیں اپنے در رحمت میں داخل ہو جانے کی سعادت سے محروم نہ فرما۔ یا اللہ! ہمیں اپنا معاملہ اور تعلق آپ سے درست کر لینے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین)

.....☆☆☆.....

شہید کو مردہ نہ کہو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝
”اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے، خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر
نہیں۔“ (البقرہ ۱۵۴ پ ۲)

یعنی جس نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لئے جان دی اور وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شہداء کو احیا کہا گیا، اور ان کو عام اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی، مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں۔ ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں۔ اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں۔ مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء پھر اور معمولی مردے۔

(معارف القرآن، ج ۱)

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح۔ اس کا مجموعہ ہی نفس انسانی کہلاتا ہے۔ اس نفس انسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہے۔ ایک دنیا جو دار العمل ہے، ایک آخرت جو دار القرار ہے، اور ایک برزخ جو دار الانتظار ہے ان تینوں جہانوں کے احکام اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے۔

شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے، جو اور مردوں کو نہیں ملتی، ان کو اللہ ﷻ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے، جس طرح ہم اعلیٰ درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں۔ شہداء کی ارواح ”جو اصل طور خضر“ میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں۔ ان ”طور خضر“ کی کیفیت کو اللہ ﷻ ہی جانے وہاں کی چیزیں ہمارے احاطہ خیال میں کہاں

آسکتی ہیں۔ اس وقت شہداء بے حد مسرور ہوتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی۔ اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا۔ جو وعدے شہیدوں کیلئے پیغمبر کی زبانی کئے گئے تھے انہیں آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ ﷻ ایمان والوں کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ خیال اور گمان سے بڑھ کر بدل دیتا ہے، نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ ﷻ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے۔ نہ ان کو اپنے آگے کا ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم، مامون و مطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے۔

ایسے مقتول کو جو اللہ ﷻ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گویہ کہنا کہ وہ مر گیا، صحیح اور جائز ہے۔ لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گوبر زنی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے۔ لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز حاصل ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ آثار میں اوروں سے قوی ہے، جیسے انگلیوں کے اگلے پورے اور ایڑی اگر چہ دونوں میں حیات ہے، اور حیات کے آثار بھی دونوں میں موجود ہیں۔ لیکن انگلیوں کے پوروں میں حیات کے آثار احساس وغیرہ بہ نسبت ایڑی کے زیادہ ہیں۔ اسی طرح شہداء میں آثار حیات تمام مردوں سے بہت زیادہ ہیں۔ حتیٰ کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں سے بہت زیادہ ہے برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری پر بھی پہنچتا ہے۔ کہ اس کا جسم مجموعہ گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم کے صحیح سالم زندہ سلامت رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث اور مشاہدات اس پر شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو زندہ کہا گیا اور ان کو دوسری اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی۔ مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں۔

(معارف القرآن جلد اول ص ۳۹۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ شہیدوں کی رو میں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی چمکتی پھرتی ہیں، پھر ان قدیلوں میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں، ان کے رب نے ایک مرتبہ دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اے اللہ! ہمیں تو، تو نے اب وہ کچھ دے رکھا ہے، جو کسی کو نہیں دیا، پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ان سے پھر اب یہی سوال ہوا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں نہیں چھوڑا جاتا، تو کہا اے اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ اب تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے، تاکہ ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں، پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں۔ رب ﷺ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ”مومن کی روح ایک پرندہ ہے، جو جنتی درختوں پر رہتی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے۔ لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی شرافت، کرامت، عزت اور عظمت حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”جو لوگ مرجائیں اور اللہ ﷻ کے یہاں بہتری پائیں وہ ہرگز دنیا میں آنا پسند نہیں کرتے، مگر شہید کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹایا جائے اور دوبارہ راہ اللہ ﷻ میں شہید ہو کیونکہ شہادت کے درجات کو وہ دیکھ رہا ہے۔“ (صحیح مسلم)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ سے فرمایا: ”اے جابر تم کو معلوم بھی ہے کہ اللہ ﷻ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور ان سے کہا اے میرے بندے ماگ کیا مانگتا ہے؟ تو کہا اے اللہ! دنیا میں پھر بھیج تاکہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اللہ ﷻ نے فرمایا، یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی یہاں دوبارہ لوٹایا نہیں جائے گا۔ ان کا نام حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حزام انصاری تھا۔“ (مسند احمد)

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں، میرے باپ کی شہادت کے بعد میں رونے لگا اور ابا کے منہ سے کپڑا ہٹا کر بار بار ان کے چہرہ کو دیکھ رہا تھا، صحابہ کرام ؓ مجھے منع کرتے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ

خاموش تھے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا جا برومت ”جب تک تیرے والد کو اٹھایا نہیں گیا فرشتے اپنے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے رہے“۔ (ابن کثیر جلد اول، ص ۵۲۱)

حیاء شہداء کے متعلق بعض علمائے کرام یہ کہتے ہیں کہ ان کے اسی جسم میں حیاء دی جاتی ہے۔ اس لئے سینکڑوں برس بعد بھی جب کبھی شہداء کی لاشیں برآمد ہوتی ہیں تو ان کا جسم بھی تروتازہ پایا گیا ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں لکھا ہے کہ احد کے پہاڑ کے نیچے جو برساقی نالہ بہتا ہے ایک بار جو اس نے زور کیا، تو جنگِ احد کے بعض شہداء کی لاشیں نکلیں جن سے بدستور خون جاری تھا اور یہ معاملہ بنی امیہ کے عہدِ سلطنت میں ہوا ہے۔ لیکن جمہور اہلسنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ ان کو حیاء روحانی نصیب ہوتی ہے، اب یوں ہر شخص کافر ہو یا مومن، روح کسی کی نہیں مرتی۔ بلکہ وہ قائم اور سالم رہتی ہے اور دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ لیکن جو کافر یا منافق یا گنہ گار ہیں، وہاں ان کی ارواح کو اپنے اعمال کے اس زنگ سے جو دنیا میں اس پر چڑھا تھا، عذاب پاتی ہیں اور جو ابرار اور نفوسِ قدسیہ ہیں خصوصاً شہید فی سبیل اللہ، وہ انوارِ الہیہ اور عالم نورانی میں مسرور ہوتے ہیں۔ مشاہدہ جمال سے لذت اٹھاتے ہیں اور ان کی ارواح اپنے جسم لطیف کے ساتھ جنت اور عالم قدس کے باغوں میں جہاں چاہتی ہیں عیش کرتی پھرتی ہیں۔

الفرض! اس آیت میں شہدائے فی سبیل اللہ کے خاص فضائل کا بیان ہے۔ پہلی فضیلت یہ بیان کی گئی کہ وہ شہید ہو کر ممتاز دائمی حیات کے مالک ہو گئے، دوسری فضیلت یہ بیان کی گئی کہ ان کو اللہ ﷻ کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے اور رزق زندہ ہی کو ملا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے منتقل ہوتے ہی شہید کے لئے رزق جنت جاری ہو جاتا ہے۔ تیسری فضیلت یہ بیان کی گئی کہ وہ ہمیشہ خوش و خرم رہیں گے۔

اللہ ﷻ اپنے فضل سے ہمیں بھی دین کے لئے اپنے راستے میں شہادت کا شوق نصیب فرمائے (آمین)۔ اللہ ﷻ ان تمام شہدائے اسلام کو جنہوں نے دین کے لئے اپنی جانوں کو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر قربان کیا۔ اللہ ﷻ اپنا قرب خاص عطا فرمائیں اور ان کے درجات عالیہ میں اضافہ فرمائیں۔ یا اللہ! دشمنانِ دین سے اپنے راستے میں ہم کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کا عزم و جذبہ صادق عطا فرما۔ اے اللہ! اپنے دین پر جینے اور اس پر مرنے کی دولت ہم سب کو عطا فرما۔

جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط
(سورۃ الجمعۃ پ ۲۸)

”اے ایمان والو! جب اذان ہونماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو، اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و

فروخت۔“

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”ہر اذان کا یہ حکم نہیں، کیونکہ جماعت پھر بھی ملے گی۔ اور جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا پھر کہاں ملے گا۔ اور اللہ ﷻ کی یاد سے مراد خطبہ ہے اور نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی ایسے وقت جائے کہ خطبہ سنے، اس وقت خرید و فروخت حرام ہے۔ اور ”دوڑنے“ سے مراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے اور بھاگنا مراد نہیں۔“ ”نودی“ سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی۔ یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلی اذان بعد کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے مقرر ہوئی ہے۔ لیکن حرمت بیع میں اس اذان کا حکم بھی مثل اذان قدیم کے ہے۔ کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے۔ البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص و قطعی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

جمعہ کو جمعہ کہنے کی کیا وجہ ہے۔ علماء کرام نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ اس بات پر علمائے امت کا اتفاق ہے کہ دور جاہلیت میں یعنی دور اسلامی سے پہلے جمعہ کو العربہ کہتے تھے یعنی عظمت والا کھلا ہوا دن۔ (گلدستہ تفسیر جلد ہفتم ص ۱۹۹)

جمعہ کا لفظ جمع سے مشتق ہے، وجہ اشتقاق یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں اللہ ﷻ کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اس دن تمام مخلوق کامل ہوئی۔ چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی، چھٹا دن جمعہ کا ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے۔ اسی دن قیامت قائم ہوگی، اسی دن ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت مومن بندہ اللہ ﷻ سے جو طلب کرے، اللہ ﷻ اسے عنایت فرماتا ہے

جیسے کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔

یہاں اللہ ﷻ مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم دے رہا ہے، جیسے کہ اس آیت میں سعی سے مراد یہاں دوڑنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز کے لئے قصد کرو، چل پڑو، کوشش کرو، کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ جیسے کہ اس آیت میں سعی کوشش کے معنی میں ہے: وَمَنْ أَرَادَ الْأَخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا - (بنی اسرائیل، ۱۹) یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے پھر اس کے لئے کوشش بھی کرے۔ یہ یاد رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا منع ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے سکینت اور وقار کے ساتھ چلو، دوڑو نہیں، جو پاؤ، پڑھ لو۔ جو فوت ہو ادا کر لو۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نماز میں تھے۔ جو لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور سے سنی، فارغ ہو کر فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے۔ فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ، جو پاؤ پڑھ لو جو چھوٹ جائے پوری کر لو۔ (ابن کثیر)

حضرت مکیول سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ اذان صرف ایک ہی تھی جب امام آتا تھا، اس کے بعد صرف تکبیر ہوتی تھی، جب نماز کھڑی ہونے لگے اس اذان کے وقت خرید و فروخت حرام ہوتی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے کی اذان کا حکم صرف اس لئے دیا تھا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ جمعہ میں آنے کا حکم آزاد مردوں کو ہے۔ عورتوں، غلاموں اور بچوں کو نہیں، مسافر، مریض اور تیماردار اور ایسے ہی اور عذر والے بھی معذور کئے گئے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں بیع کو چھوڑ دو یعنی ذکر اللہ کے لئے چل پڑو، تجارت کو ترک کر دو، جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے۔ علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہیں ٹھہرے گا۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

وَذَرُوا الْبَيْعَ ط۔ بیع سے (صرف خرید و فروخت ہی مراد نہیں بلکہ اس سے) مراد ہیں وہ تمام مشاغل جو نماز سے روکنے والے ہیں اس مطلب پر جمعہ کی نماز کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں خرید و فروخت کرنا جائز ہوگا۔ بیع کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ اکثر لوگ زوال کے بعد بازاروں کے اندر

خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے۔

ذَلِكُمْ مَخِيْرٌ لَّكُمْ - یہ اذان کے بعد تمام مشاغل کو ترک اور نماز کی سعی کرنا تمہارے لئے خرید و فروخت سے بہتر ہے اگر تم اپنے ذاتی مصالح کو جانتے ہو تو ایسا کرو۔

قرآن و حدیث اور اجماع علماء کی روشنی میں صلوٰۃ جمعہ فرض محکم (نا قابل تنسیخ) ہے اس کا منکر کافر ہے۔ آیت مذکورہ سے جمعہ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ نماز جمعہ کی اذان ہونے پر سعی کا حکم مرتب کیا گیا ہے۔ ذکر سے مراد بظاہر نماز ہی ہے یا خطبہ مراد ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ نماز اور خطبہ دونوں مراد ہیں کیونکہ ذکر کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔ جمعہ نہ پڑھنے سے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے:- حضرت ابو عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر کے تختوں پر (بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے) فرما رہے تھے۔ جمعوں کو ترک کرنے والے ترک سے باز آ جائیں ورنہ اللہ ﷻ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ پھر وہ غفلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (رواہ مسلم)

تین جمعے چھوڑنے کی سزا:-

حضرت ابو جمعہ ضمیری صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تین جمعے حقیر سمجھتے ہوئے ترک کر دے گا اللہ ﷻ اس کے دل پر چھاپ لگا دے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

بغیر عذر کے جمعہ ترک کرنا:-

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے بغیر عذر کے جمعہ ترک کر دیا اس کو منافق لکھ دیا جائے گا اس کتاب میں جس کو نہ مٹایا جائے گا، نہ تبدیل کیا جائے گا۔ ابو یعلیٰ کی روایت میں ہے کہ جس نے متواتر تین جمعے ترک کر دیئے اس نے اسلام کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ واجب ہے سوائے اس کے کہ بیمار ہو یا مسافر یا عورت یا بچہ یا غلام۔ جو شخص کھیل یا تجارت میں مشغول رہ کر (جمعہ کی) پرواہ نہیں کرے گا، اللہ ﷻ کو بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ ﷻ بے نیاز اور مستحق ستائش ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ جمعہ فرض عین ہے جو شخص اس کو

فرض کفایہ کہتا ہے غلطی کرتا ہے۔ اگر غلام یا مسافر یا عورت یا مریض جمعہ کی نماز میں آجائے اور جمعہ پڑھ لے تو جمعہ صحیح ہو جاتا ہے اور ظہر کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

خطبے میں پانچ سورتیں مسنون ہیں۔ اللہ کی حمد، رسول اللہ ﷺ پر درود، تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت، مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سب واجب ہیں۔ خطبہ ہو رہا ہو تو حاضرین کے لئے کلام کرنا حرام ہے، خواہ خطبہ سنائی دے رہا ہو یا نہ سنائی دے رہا ہو۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا یہی فتویٰ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب امام خطبہ دے رہا ہو اور تو اپنے ساتھی سے کہے چپ رہ تو، تو نے لغوات کی (یعنی یہ کہنا بھی لغو ہے)۔ اس حدیث میں امر بالمعروف کی بھی ممانعت ہے اور امر بالمعروف کا درجہ سنت جمعہ اور تحیۃ المسجد سے بلند ہے۔ لہذا سنت جمعہ ہوں یا تحیۃ المسجد، بہر حال ان کا ممنوع ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہے۔

(گلدستہ تفاسیر جلد ۷ ص ۲۰۴)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ جمعہ کا اہتمام جمعرات سے کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کرتے تھے۔ جمعرات کے دن نماز عصر کے بعد استغفار وغیرہ زیادہ کرے اور اپنے پہننے کے کپڑے صاف کر کے رکھے۔ اور خوشبو گھر میں نہ ہو اور ممکن ہو تو اسی دن لاکر گھر میں رکھ لے تاکہ پھر جمعہ کے دن اس کو ان کاموں میں مشغول نہ ہونا پڑے۔ بزرگان سلف نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ جمعہ کا فائدہ اس کو ملے گا جو اس کا منتظر رہتا ہو اور اس کا اہتمام جمعرات سے کرتا ہو اور سب سے بد نصیب وہ ہے جس کو یہ معلوم نہ ہو کہ جمعہ کب ہے۔ حتیٰ کہ صبح کو لوگوں سے پوچھے کہ آج کون سا دن ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ جامع مسجد میں بہت سویرے جائے، جو شخص جتنا سویرے جائے گا اس قدر اس کو ثواب ملے گا۔ (احیاء العلوم)

اللہ ﷻ ہم کو اس مبارک دن جمعہ کی قدر شناسی کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمارے دلوں میں یوم جمعہ کی حرمت و عظمت نصیب فرمائیں۔ اللہ ﷻ ہمیں جمعہ کے آداب و حقوق کی ادائیگی کا جذبہ صادق عطا فرمائیں اور تمام امت مسلمہ کو اس نعمت الہی کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائیں۔

گر دل سے خیال طاعت معبود ہو جائے تو انسان قدسیوں کا بے گناہ مسجود ہو جائے

حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ بناؤ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ط إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (المائدہ آیت ۸۷، پ ۷)

”اے ایمان والو! امت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیں اور

حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔“

کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کے تین درجات:-

کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کے تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ اعتقاداً اس کو حرام سمجھ لیا جائے، دوسرے یہ کہ قولاً کسی چیز کو اپنے لئے حرام کر لے مثلاً قسم کھالے کہ ٹھنڈا پانی نہ پیوں گا یا فلاں قسم کا حلال کھانا نہ کھاؤں گا، یا فلاں جائز کام نہ کروں گا، تیسرے یہ کہ اعتقاد و قول تو کچھ نہ ہو محض عملاً ہمیشہ کے لئے کسی حلال چیز کو چھوڑ دینے کا عزم کرے۔

پہلی صورت میں اگر اس چیز کا حلال ہونا قطعاً دلائل سے ثابت ہو تو اس کو حرام سمجھنے والا قانونِ الہی کی صریح مخالفت کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

دوسری صورت میں اگر الفاظ قسم کھا کر اس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے تو قسم ہو جائے گی۔ قسم کے الفاظ بہت ہیں جو کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں، ان میں سے ایک مثال یہ ہے کہ صراحۃً کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ فلاں چیز نہ کھاؤں گا یا فلاں کام نہ کروں گا یا یہ کہے کہ فلاں چیز یا فلاں کام کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ بلا ضرورت ایسی قسم کھانا گناہ ہے، اس پر لازم ہے کہ اس قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے، قسم کا کفارہ یہ ہے (اطعام عشرۃ مسکین) دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ایک ہی مسکین کو دس دن کھانا کھلائے۔

تیسری قسم جس میں اعتقاد اور قول سے کسی حلال کو حرام نہ کیا ہو، بلکہ عمل میں ایسا معاملہ کرے جیسا حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ دائمی طور پر اس کے چھوڑنے کا التزام کرے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر حلال کو چھوڑنا ثواب سمجھتا ہے تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے۔ جس کا گناہ عظیم ہونا قرآن و سنت میں

منصوص ہے، اس کے خلاف کرنا واجب اور ایسی پابندی پر قائم رہنا گناہ ہے۔ ہاں اگر ایسی پابندی بہ نیت ثواب نہ ہو بلکہ کسی دوسری وجہ سے مثلاً کسی جسمانی یا روحانی بیماری کے سبب سے کسی خاص چیز کو دائمی طور پر چھوڑے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بعض صوفیائے کرام اور بزرگوں سے حلال چیزوں کو چھوڑنے کی جو روایات منقول ہیں وہ سب اسی قسم میں داخل ہیں کہ انہوں نے اپنے نفس کیلئے ان چیزوں کو مضر سمجھا یا کسی بزرگ نے مضر بتلایا، اس لئے بطور علاج چھوڑ دیا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(گلدستہ تقاسیر جلد ۲ ص ۳۴۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ لَفٍ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ (نساء آیت ۲۸، پ ۵)

”اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔“

مطلب یہ ہے کہ کسی کو کسی کا مال ناحق کھالینا، مثلاً جھوٹ بول کر یا دغا بازی سے یا چوری سے ہرگز درست نہیں ہاں اگر سودا کریں یعنی بیع و شرا (خرید و فروخت) کرو تم باہمی رضامندی سے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اس مال کو کھاؤ، جس کا خلاصہ یہی نکلا کہ جائز طریقہ سے لینے کی ممانعت نہیں جو مال کو ترک کرنا تم پر دشوار ہو۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرے کا مال حاصل کرنے کی جائز صورتوں میں سے اس آیت میں صرف تجارت کے ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کسب معاش کے ذرائع میں سے تجارت اور محنت سب سے افضل اور طیب ذریعہ معاش ہے۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی حلال و اطیب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ. (رواہ احمد) (ادنیٰ مظہری، تزیین و تہذیب)

”یعنی انسان کے ہاتھ کی مزدوری اور ہر سچی بیع و شرا (جس میں جھوٹ فریب نہ ہو)۔“

اسی طرح مندرجہ ذیل آمدنیاں حرام ہیں۔

☆..... چوری کی آمدنی حرام ہے (فضائل تجارت)۔

- ☆..... نابالغ سے اس کی ذاتی ملکیت سے چندہ قبول کرنا حرام ہے (مواساة المصابین)
- ☆..... خون کی خرید و فروخت ناجائز ہے لہذا اس کی آمدنی بھی حرام ہے۔
- ☆..... اپنے اعضاء بدن بیچنا قطعی حرام ہے۔ (مظاہر حق)
- ☆..... مردار کی خرید و فروخت کر کے جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔
- ☆..... کوئی مرغی یا گائے وغیرہ مرگئی تو اس کا بیچنا حرام اور باطل ہے بلکہ اس مری ہوئی چیز کو بھنگی یا چما کر کھانے کے لئے دینا بھی جائز نہیں۔ البتہ چما بھنگیوں سے چھیننے کیلئے اٹھوادیا پھر انہوں نے اس کو کھالیا تو تم پر کچھ الزام نہیں، اور اس کی کھال نکلو کر درست کر لینے اور بنا لینے کے بعد بیچنا اور اپنے کام میں لانا درست ہے۔ (بہشتی زیور)
- ☆..... مزایر (ناچنے، گانے کے اوزار) یعنی ڈھولک، ستار اور باجے وغیرہ بیچ کر جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔ (اشرف الکلام جلد ۴) ☆..... جادو کی آمدنی حرام ہے۔ (فضائل تجارت)
- ☆..... شراب کی خرید و فروخت سے جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔ (مظاہر حق)
- ☆..... نشہ آور چیزوں کو بیچ کر جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔ (دوزخ کا کھٹکا)
- ☆..... بھنگ بیچنے والے کی آمدنی حرام ہے۔ (المصالح العقلیہ)
- ☆..... نجوم سے جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔ (فضائل تجارت)
- ☆..... خلاف شرع تعویذ گنڈے کرنے والوں کی آمدنیاں حرام ہیں (دوزخ کا کھٹکا)
- ☆..... جانداروں کی تصویر بنانے، چھاپنے سے جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔ (جدید مسائل کے شرعی احکام)
- ☆..... انسان یا جانور کی شکل پر بنے ہوئے کھلونوں یا اشیاء کو بیچ کر جو آمدنی حاصل ہو وہ حرام ہے۔
- (تصدیق دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور)
- ☆..... فلم بنانے سے جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔ (جدید مسائل کے شرعی احکام)
- ☆..... انعامی بانڈ یا ایسی طرح دیگر بانڈز سے حاصل شدہ رقمیں حرام ہیں (جامعہ اشرفیہ لاہور)
- ☆..... سود کی رقم حرام ہے۔ (حرام روزی کی نحوستیں)

- ☆..... انشورنس یا بیمہ کی رقم حرام ہے۔ (جدید مسائل کے شرعی احکام)
- ☆..... گناہ کی کتابوں کو شائع کرنے سے جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔ (ذم المکتروہات)
- ☆..... ذبح ہونے اور کٹنے سے پہلے جانور کے گوشت کی خرید و فروخت حرام ہے۔
- ☆..... کسی کی چیز ادھار مانگ کر لینا پھر دینے سے انکار کر دینا (ایسی چیز کا استعمال کرنا ناجائز ہے)۔
- ☆..... ایسے دلال کی آمدنی جو بیچنے والے کی اجازت کے بغیر اپنی اجرت لے اور خریدنے والے کو زیادہ دام بتائے وہ حرام ہے۔ (فضائل تجارت)
- ☆..... خیانت کی آمدنی حرام ہے۔ (فضائل تجارت)
- ☆..... عیب دار چیز کو بغیر بتلائے بیچنے والے کی آمدنی حرام ہے۔ (فضائل تجارت)
- ☆..... یتیم کا مال دبا کر جو رقم یا جو چیز حاصل ہو وہ حرام ہے۔ (فضائل تجارت)
- ☆..... ناپ تول میں کمی کرنے سے جو رقم حاصل ہو وہ حرام ہے۔ (فضائل تجارت)
- ☆..... غصب کی رقم یا چیز مثلاً قرض دبا لینا وغیرہ حرام ہے۔ (دوزخ کا کھٹکا)
- ☆..... وارث کا حق مار کر جو رقم حاصل ہو وہ حرام ہے۔ (حیوۃ المسلمین)
- ☆..... دھوکہ دہی سے حاصل شدہ رقم حرام ہے۔ (دوزخ کا کھٹکا)
- ☆..... ملاوٹ کر کے مال بیچنے والے کی آمدنی حرام ہے۔ (بتصدیق جامعہ اشرفیہ لاہور)
- ☆..... قبضہ گروپ کی آمدنی حرام ہے۔ (بتصدیق جامعہ اشرفیہ لاہور)
- ☆..... کوئی شخص کچھ بیچتا ہے لیکن تمہارے ہاتھ بیچنے پر راضی نہیں ہوتا تو اس سے زبردستی لے کر دام دے دینا جائز نہیں کیونکہ وہ اپنی چیز کا مالک ہے چاہے بیچے یا نہ بیچے اور جس کے ہاتھ بیچے۔ پولیس والے اکثر زبردستی سے لے لیتے ہیں یہ بالکل حرام ہے۔ (بہشتی زیور)
- ☆..... آزاد بچوں یا بھوں کو اغوا کر کے فروخت کرنے سے جو رقم ملے وہ حرام ہے (فضائل تجارت)
- ☆..... کسی چیز کا بغیر قبضہ کئے خرید لینا پھر اسی کو بغیر قبضہ کئے کسی کو فروخت کر دینا اسی طرح بیع فاسد سے جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔ (تعلیم الدین)
- ☆..... رشوت کا مال یا رقم حرام ہے۔ (دوزخ کا کھٹکا)
- ☆..... زانیہ عورت کی آمدنی حرام ہے۔ (المصالح العقلیہ)
- ☆..... اوقات کار میں کام نہ کرنا، یعنی ڈیوٹی پوری نہ کرنا جتنی دیر ڈیوٹی سے غیر حاضر رہے اتنی دیر کی

تخواہ وغیرہ لینا حرام ہے۔ (جدید مسائل کے شرعی احکام)

☆..... ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور اسلام اور ملک سے بغاوت ہے یہ آمدنی حرام ہے۔ (جوہر الفقہ)

☆..... جھوٹی شہادت یا سچی شہادت دے کر جو رقم حاصل ہو وہ حرام ہے۔ (فضائل تجارت)

☆..... ڈاڑھی مونڈ کر یا ایک مٹھی بھر سے کم کاٹ کر یا غیر شرعی بال بنا کر جو آمدنی ہو وہ حرام ہے۔

☆..... کسی بھی گناہ کے کام کی آمدنی حرام ہے۔ (تصدیق جامعہ اشرفیہ لاہور)

اگر آپ کسی حرام آمدن میں مصروف ہیں تو اول تو بے کر کے متبادل سوچیں۔ اگر متبادل انتظام مشکل ہے تو توبہ و استغفار کی بہت زیادہ کثرت رکھیں اور متبادل کی ہمیشہ سوچ رکھیں اور دعائیں خوب گڑگڑا کر مانگتے رہیں کہ یا اللہ! آپ قادر ہیں، حلال روزگار لگا دیجئے، اگر کاروبار کا آغاز کر رہے ہیں تو کبھی حرام کام شروع نہ کیجئے۔ (ماخذ ماہنامہ علم و عمل لاہور، رمضان ۱۴۳۷ھ)

جب دنیا جاتی ہے تو حسرت چھوڑ جاتی ہے اور جب آتی ہے تو ہزاروں غم ساتھ لاتی ہے اسی طرح لین دین، خرید و فروخت اور مالی معاملات میں کئی طرح کے طریقے رائج ہیں۔ اسلام میں حلال کمائی اور حلال کھانے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ تجارت اور لین دین میں صرف وہ طریقے جائز رکھے ہیں جن سے حلال آمدنی ہوتی ہو جبکہ تجارت کے ان تمام طریقوں پر پابندی عائد کر دی جن سے حرام کمائی کا شائبہ بھی پیدا ہوتا ہو۔ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ حلال رزق کی جس قدر اہمیت اور ضرورت بتلائی گئی ہے اس سے بڑھ کر حلال کمائی کے مواقع اسلام نے فراہم کئے ہیں اور حرام مال و دولت کی جس قدر شہادت و برائی بیان ہوئی اس سے بڑھ کر حرام کمائی کا سدباب بھی ہوا ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ حرام اور حلال میں تمیز کر کے حلال رزق کے حصول کا راستہ اختیار کریں اور حرام کے شائبہ سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

ذوقِ آرام بجا، شوقِ تعالیٰ بے جا
طلبِ رزق ہو، لیکن ہوس نہ ہو

.....☆☆☆.....

فضول خرچی نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَلَا تُسْرِفُوا ط إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ (الانعام-۱۴۱)

”اور بے جا خرچ نہ کرو، (اللہ) کو پسند نہیں بے جا خرچ کرنے والا“۔

یعنی حد سے زائد خرچ نہ کرو، کیونکہ ﷺ فضول خرچ کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ ﷺ کی راہ میں اگر کوئی شخص اپنا سارا مال بلکہ جان بھی خرچ کر دے تو اس کو اسراف یا فضول خرچی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ ﷺ کی ادائیگی کہنا بھی مشکل ہے، پھر اس جگہ اسراف سے منع کرنے کا مطلب کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ کسی خاص شعبہ میں اسراف کا نتیجہ عادتاً دوسرے شعبوں میں تصور کو کوتاہی ہوا کرتا ہے۔ جو شخص اپنی خواہشات میں بے دریغ حد سے زائد خرچ کرتا ہے وہ عموماً دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کیا کرتا ہے۔ یہاں اس کوتاہی سے روکا گیا ہے، یعنی ایک طرف کوئی آدمی اپنا سارا مال ﷺ کی راہ میں لٹا کر خالی ہو بیٹھے تو اولاد، اولاد اور رشتہ داروں بلکہ خود اپنے نفس کے حقوق کیسے ادا کرے گا۔ اس لئے یہ ہدایت کی گئی کہ ﷺ کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی اعتدال سے کام لے تا کہ سب کے حقوق ادا ہو سکیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

سارا مال ﷺ کی راہ میں دینا اس وقت ممنوع اور اسراف قرار پائے گا جب اپنے متعلقین اور بال بچوں کی حق تلفی کی ہو اور حقداروں کے حقوق ادا نہ کئے ہوئے ہوں۔ مستحقین کے حقوق ادا کرنے کے بعد اگر بقیہ سارا مال ﷺ کی راہ میں دے دے تو یہ اسراف نہیں بلکہ افضل ہے۔

(گلدستہ تقاسیر جلد ۲ سورہ انعام)

ایک حدیث شریف میں ہے:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرَكُهُ مَا لَا يَغْنِيهِ.

”یعنی انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی (کام) کو چھوڑ دے۔“

لا یعنی امور میں فضول خرچی بھی شامل ہے۔

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ إِسْوَاعَةِ الْمَالِ۔

”یعنی حضور ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

حقیقت میں ”اسراف“ کہتے ہیں حد سے گزر جانے کو، جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خرچ میں انسان حد سے گزر جائے بلا ضرورت کوئی چیز خریدنا یا خرچ کرنا اسراف ہے اور اس کی حقیقت ضرورت سے بڑھ جانا ہے۔ (دعوات عبدیت ص ۱۲۲، الاسراف ص ۳)

اور ضرورت کی تعریف کم لوگ سمجھتے ہیں، اکثر غیر ضروری کاموں کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ضروری کام وہ ہے کہ جس کے نہ کرنے سے نقصان ہو۔ (معرفت الہیہ ص ۱۳۶)

ضروری تو وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کے نہ ہونے سے تکلیف ہو۔ اور واقعی ضرورت وہ ہے جس سے دینی یا دنیوی کام رک جائے یا اس میں سخت دقت اور پریشانی ہو۔ یہ تو اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق مباح ہے اور بعض صورتوں میں ضروری بھی ہے۔

فرضی ضرورت :-

جس کا دوسرا نام ”حرص“ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کو پورا کرنے کے لئے دنیا میں جو بھی رقم لی جائے گی، محدود ہوگی پھر محدود دلا محدود کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کبھی پوری نہیں ہو سکتی، تو یہ اسراف اور فضول خرچی ہی ہے اور وبالِ آخری تو آخرت میں ہوگا، مگر دنیا میں بھی نتیجہ دیکھ لیجئے کہ خاندان اس کی بدولت تباہ ہو گئے۔ (شریعت و طریقت ص ۱۹۹)

اسراف و فضول خرچی سے دنیا اور دین دونوں تباہ ہوتے ہیں کیونکہ اول تو اسراف و فضول خرچی سے اللہ ﷻ نے منع فرمایا ہے تو وہ گناہ ہوا۔ اور گناہ سے دین کا خراب ہونا ظاہر ہے۔ دوسرا اسراف سے پریشانی بہت زیادہ لاحق ہوتی ہے اور پریشانی سے دین کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ بعض دفعہ اس سے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ (الاسراف ص ۵)

شریعت نے بخل کو اس لئے حرام قرار دیا کہ اس سے کسی کو نفع نہیں پہنچتا اور ”اسراف“ سے لوگوں کو نقصان بہت پہنچتا ہے۔ مثلاً یہ لوگوں سے قرض لے گا، دوسروں کی امانتیں خرچ کرے گا، کسی کی چیز مانگ کر بازار میں رہن رکھے گا اور روپیہ اپنے خرچ میں لائے گا۔ (الاسراف ص ۳۸)

كَادَ الْفُقْرَانُ يُكُونُ كُفْرًا.

”یعنی ممکن ہے کہ مفلسی سے خدا نخواستہ کفر تک نوبت نہ پہنچ جائے“۔ کیونکہ فضول خرچ انسان

کے پاس اگر قارون کا خزانہ بھی ہاتھ آجائے تو وہ اسے چند روز میں خرچ کر کے مفلس بن جائے گا۔

ایک شخص قیمتی کپڑا نمائش کی نیت سے نہیں خریدتا تو گنجائش والے کے لئے جائز ہے لیکن تنگ

دست کے لئے ناجائز اور اسراف میں داخل ہے۔ (الاسراف ص ۷۱)

پس آدمی وسعت سے زیادہ کیوں بناوٹ کرے۔ بس مسلمان کا تو یہ حال ہونا چاہیے؛

وَاسْتَعْنِ مَا أَغْنَاكَ رَبُّكَ بِالْغِنَى

وَإِذَا لَقِيكَ خَصَاصَةٌ فَتَحْمَلْ

پس جس حیثیت پر خردار کھے اس پر رہنا چاہیے۔ اگر وسعت ہو تو عمدہ کھانے پینے کا بھی

مضائقہ نہیں اور اگر تنگی ہو تو اس کے موافق گزر کرنا چاہیے۔ یہ بھی حد و شرعیہ ہیں جب ان سے تجاوز ہو

گا تو وہ اسراف ہو جائے گا۔ (الاسراف ص ۷۲)

اسراف میں وہ خرچ بھی آگیا جو بلا ضرورت استطاعت سے زیادہ مباحات یا طاعات غیر

ضروریہ میں خرچ کرنا جس کا انجام بے صبری اور حرص و بدنیتی پر ہو، کیونکہ یہ امور معصیت ہیں۔

فضول خرچی کے چند مروجہ طریقے:

☆..... شادی کی رسموں میں نام و نمود کے لئے بے جا خرچ کرنا۔

☆..... کسی مرگ پر نام کے لئے خرچ کرنا۔

☆..... نفس کو خوش کرنے کے لئے ضرورت سے زیادہ کپڑے یا مکان کی تعمیر یا سجاوٹ یا سواری یا

بچوں کے کھیل کھلونوں میں خرچ کرنا۔

☆..... کھیل تماشوں پر خرچ کرنا۔

☆..... شب برأت اور رمضان المبارک میں ختم قرآن کے موقع پر ضرورت سے زیادہ روشنی

(چراغوں) کرنا۔ یا اس کی جگہ کسی اور خرافات مثلاً: مٹھائی کا انتظام ضروری سمجھنا وغیرہ۔

☆..... ریا، تفاخر کی نیت سے ختنہ، عقیقہ، منگنی وغیرہ کے موقعوں پر فضول رقم خرچ کرنا۔

☆..... جلسہ جلوس کے موقعوں پر بلا ضرورت زیادہ رقم خرچ کرنا وغیرہ۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حرام و ناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تہذیر (فضول اڑانا) ہے اور جائز و مباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج و فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے، یہ بھی فضول خرچی میں داخل ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص اصل رأس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے تو وہ اسراف میں داخل نہیں۔ (معارف القرآن)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنا مال حق کے راستے میں خرچ کر دے تو اس کو تہذیر (مال کو نکھیرنا، برباد کرنا) نہیں کہا جائے گا اور اگر ایک سیر غلہ بھی گناہ کے راستے میں خرچ کیا تو اس کو تہذیر کہا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تہذیر کی تشریح فرمائی: مال کو خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے راستے کے علاوہ (باطل راستہ ہے)۔ یعنی مال اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، جس سے عبادت میں دل جمعی ہو۔ بہت سی اسلامی روایات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملے، اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے۔ جو شیطان کی تحریک و اغوا سے وقوع میں آتی ہے اور آدمی ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

جس طرح شیطان نے اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوئی تو توں کو عصیان و اضلال میں خرچ کیا، اس نے بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اڑا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

بہر حال خرچ کرنے سے قبل دو کاموں کو ضرور کر لیں۔ ایک یہ کہ پہلے سوچا کریں کہ اگر اس جگہ خرچ نہ کروں تو آیا کچھ نقصان ہے یا نہیں۔ اگر نقصان نہ ہو تو اس کو چھوڑ دیں اور اگر نقصان معلوم ہوتا ہو تو پھر کسی منتظم سے مشورہ کریں کہ یہ خرچ خلاف مصلحت اور نامناسب تو نہیں۔ وہ جو ہٹلائے اس پر عمل کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو فضول خرچی سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆☆.....

والدین کی نافرمانی نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ط إِمَّا يَنْتَغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَاتَقْلُ لَهُمَا آفٍ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَأَخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳، ۲۴)

”اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ عبادت کرو اس کے سوا اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یادوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی۔ اور جھکا دے ان کے آگے کندھے، عاجزی کر نیاز مندی سے اور کہہ اے رب! ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا“۔ (گلدستہ تفسیر جلد ۴ ص ۲۰۴)

اللہ ﷻ حقیقتاً پچھو کو جو عطا فرماتا ہے، والدین اس کی ایجاد ظاہری کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے کئی آیتوں میں اللہ ﷻ کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ذکر کئے گئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ شخص خاک میں مل گیا، جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔ ایک حدیث میں فرمایا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان و مال سے خدمت اور دل سے تعظیم و محبت کرے۔ مرنے کے بعد ان کا جنازہ پڑھے، ان کے لئے دعاء و استغفار کرے۔ ان کے عہدگی المقدور پورے کرے، ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم و حسن سلوک سے اور ان کے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کرو یا ضائع کر دو“۔ (تفسیر مظہری)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ ﷻ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔ (ترمذی)

بیہقی میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو

خدمت گزار بیٹا اپنے والدین پر رحمت و شفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ اس طرح نظر کر لے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں سو مرتبہ بھی (ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا)۔ اللہ ﷻ بڑا ہے (اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی)

اطاعت والدین کی حدود:

اس پر علمائے امت اور فقہائے امت کا اتفاق ہے کہ والدین کی اطاعت صرف جائز کاموں میں واجب ہے۔ ناجائز یا گناہ کے کام میں اطاعت واجب تو کیا جائز بھی نہیں۔ حدیث میں ہے:

لا طاعة للمخلوق في معصية الخالق.

”یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔“

بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے جس سے بعض اوقات اہل وعیال بھی اکتانے لگتے ہیں۔ زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش و حواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے۔ بڑی سعادت مند اولاد کا کام ہے کہ اس وقت بوڑھے والدین کی خدمت گزاری و فرمانبرداری سے ہمت نہ ہارے۔ قرآن نے تمہیں کی کہ جھڑکنا، ڈانٹنا تو کجا ان کے مقابلہ میں زبان سے اف (ہوں) بھی مت کرو بلکہ بات کرتے وقت پورے ادب و تعظیم کو ملحوظ رکھو۔ ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس طرح بات کرو جیسے ایک خطا کار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

والدین کے بڑھاپے کا زمانہ جبکہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں، ان کی زندگی اولاد کے رحم و کرم پر رہ جائے۔ اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بھی بے رخی محسوس ہو تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے۔ دوسری طرف بڑھاپے کے عوارض طبعی طور پر انسان کو چڑچڑا بنا دیتے ہیں۔ تیسرے بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل و فہم بھی جواب دینے لگتے ہیں تو ان کی خواہشات و مطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے۔ جس قدر آج وہ تمہارے

محتاج ہیں۔

اس لئے حکم ہوا کہ والدین کو اف بھی نہ کہے۔ لفظ اف سے مراد ہر وہ کلمہ ہے جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو۔ یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو وہ بھی اسی کلمہ اف میں داخل ہے۔ ایک حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایذا رسانی میں اف کہنے سے بھی کم کوئی درجہ ہوتا تو وہ بھی ذکر کیا جاتا۔ حاصل یہ ہے کہ جس چیز سے ماں باپ کو کم سے کم بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے۔

(گلدستہ تفسیر بنی اسرائیل پ ۱۵)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام گناہوں میں سے اللہ ﷻ جو گناہ چاہے گا معاف فرمادے گا سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے۔ کیونکہ زندگی میں مرنے سے پہلے ہی (ماں باپ کی نافرمانی کی سزا) اللہ ﷻ دے دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جس مسلمان کے والدین موجود ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اللہ ﷻ اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے اور اگر والدین میں سے کوئی ناراض ہو تو اللہ ﷻ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک وہ اپنے والدین کو راضی نہ کر لے۔ (تنبیہ)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا، حضور! اپنے والدین کو کس طرح گالی دی جاسکتی ہے؟ فرمایا: ”(وہ اس طرح) کہ ایک شخص کسی کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے، دوسرا شخص پلٹ کر اس کے باپ اور ماں کو گالی دیتا ہے۔ (تنبیہ ص ۱۴۱)

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت نہیں کرتا، اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے۔ اسے زندگی میں مشکلات پیش آتی رہتی ہیں۔ اگر والدین وفات پا چکے ہوں تو کسی طرح انہیں خوش کیا جائے۔ انہیں خوش کرنے کا طریقہ یہ ہے:

☆..... اولاد نیک بن کر زندگی گزارے، کیونکہ والدین کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کی

اولاد نیک ہو۔

☆..... والدین کے رشتہ داروں اور ان کے دوست احباب سے اچھا برتاؤ کرے۔

☆..... والدین کے واسطے دعائے مغفرت کرتا رہے اور ان کی طرف سے صدقہ و خیرات کرتا رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انسان کی موت کے ساتھ اس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب اسے موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔“

۱۔ صدقہ جاریہ:- زندگی میں کوئی ایسا کام کر جائے کہ عام لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔

۲۔ کوئی ایسا علمی کام کر جائے جو عام لوگوں کی رسائی (پہنچ) میں ہو اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۳۔ نیک اولاد ہو جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہے اور ممکن ہو تو اس کی طرف سے صدقہ و خیرات بھی کر دیا کرے۔

الغرض! والدین کی نافرمانی میں ہر وہ سلوک شامل ہے جس سے ماں باپ یا کسی ایک کو غصہ آجائے۔ کتاب و سنت کی رو سے اس قسم کی حرکت خطرناک گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح احادیث میں اس عمل کو گناہ کبیرہ شمار کیا ہے، جس کی پاداش میں آخرت کا عذاب تو ہو کر رہے گا لیکن دنیا میں بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ نیز ایسے شخص کی گواہی دنیا میں مردود ہوگی اور وہ فاسق کہلائے گا اور اگر اس نے دنیا میں توبہ نہیں کی اور ماں باپ کو راضی نہ کیا تو آخرت میں اسے آگ کا عذاب ہوگا۔ اور اگر اس سلسلے میں وارد ہونے والی آیات و احادیث نہ بھی ہوتیں، تب بھی عقل و شعور کا یہی فیصلہ ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا مروت نہیں۔ ذوق سلیم اور وجدان بھی یہی کہتا ہے اور انسانیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جن پاک نفوس نے بچپن میں اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ وہی اولاد ان کے بڑھاپے میں ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے اور اذیت پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہم سب کو اس گناہ کبیرہ سے بچائے۔ (آمین ثم آمین)

.....☆☆☆.....

خیانت اور بد دیانتی نہ کرو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوْا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْا اٰمِنَتِكُمْ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۝ (الانفال آیت ۲۷)

”اے ایمان والو! نہ اللہ ورسول کی خیانت کرو، اور نہ آپس میں اپنی امانتوں میں خیانت کرو

اور تم واقف ہو۔“

خیانت ضد ہے امانت کی، یعنی امانت و دیانت میں فرق آجانے کا نام خیانت ہے۔ کسی کی امانت میں رو بہ دل کرنا، کمی بیشی کرنا یا ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا خیانت میں داخل ہے۔ (اللہ کے احکام ص ۷۶)

قرآن کریم نے لفظ امانت (یعنی امانات کے معنی میں) بصدیقہ جمع لا کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ امانت صرف اس کا نام نہیں کہ ایک شخص کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہو، بلکہ امانت کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں حکومت کے عہدے بھی داخل ہیں۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ” اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ“

یعنی مجالس امانت داری کے ساتھ ہونی چاہئیں۔ مطلب یہ ہے کہ مجلس میں جو بات کہی جائے وہ اس مجلس کی امانت ہے، ان کی اجازت کے بغیر اس کو دوسروں سے نقل کرنا اور پھیلانا جائز نہیں۔

اس آیت میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس میں اللہ ﷻ کی امانت اور رسول ﷺ کی امانت سے مراد ہے اللہ ﷻ کا دین اور دین کی تعلیم۔ اللہ کی کتاب اور کتاب اللہ کی طرف سے عائد ہونے والی ذمہ داریاں۔ اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی تعلیمات و ہدایات ہمارے پاس ان کی امانتیں ہیں۔ اگر ہم ان میں کمی بیشی کریں گے یا اللہ کے بندوں تک صحیح طور سے پہنچانے میں کوتاہی کریں گے تو یہ بھی ایک قسم کی خیانت و بددیانتی ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص ہمارے پاس کوئی چیز بطور امانت رکھے تو ہم پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ اس کی

حفاظت دل و جان سے کریں۔ جب طلب کرے تو فوراً واپس کر دیں، اس کی اجازت کے بغیر اپنے استعمال میں نہ لائیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو خیانت ہو جائے گی۔ یہی نہیں کہ اگر کوئی ہمیں اپنا راز دے تو راز بھی ایک امانت ہے۔ رازداری نہ کرنا اور اسے ظاہر کر دینا خیانت ہوگی۔ اگر کوئی مشورہ مانگے تو صحیح مشورہ دینا بھی دیانت و امانت کا حصہ ہے اور غلط مشورہ دینا خیانت میں شامل ہوگا۔ (اللہ کے احکام ص ۷۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے خطاب فرمایا ہو اور یہ نہ ارشاد فرمایا ہو کہ:

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ.

”اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں، اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں۔“

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵)

صحیح مسلم ص ۵۶ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی چار نشانیاں

ہیں اگر چہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور خیال کرے کہ میں مسلمان ہوں۔

۱..... جب بات کرے جھوٹ بولے

۲..... جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے

۳..... جب عہد کرے تو دھوکہ دے

۴..... جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (صحیح البخاری ص ۱۰۱ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص

تیرے پاس امانت رکھے اور تو اس کی امانت ادا کر دے، اور جو شخص تیری خیانت کرے تو اس کی

خیانت مت کر۔ (رواہ ترمذی، ابوداؤد کی فی المشکوٰۃ ص ۲۵۴)

ایک حق جو دوسرے کے ذمہ واجب ہو اس کے ادا کرنے میں ایمان داری نہ برتنا خیانت اور

بددیانتی ہے۔ اگر ایک کی چیز دوسرے کے پاس امانت ہو اور وہ اس میں بے جا تصرف کرتا یا مانگنے پر

واپس نہ کرتا ہو تو یہ کھلی ہوئی خیانت ہے۔ یا کسی کی کوئی چھپی ہوئی بات کسی دوسرے کو معلوم ہو یا کسی

نے دوسرے پر بھروسہ کر کے کوئی اپنا بھید اس کو بتایا ہو تو اس کا کسی اور پر ظاہر کرنا بھی خیانت ہے۔ اسی طرح جو کام کسی کے سپرد ہو اس کو وہ دیا ننداری کے ساتھ انجام نہ دے تو یہ بھی خیانت ہی کہلائے گا۔ عسیٰ ہذا عام مسلمانوں، آئمہ وقت اور اپنے منفقہ قومی و ملی مصالحوں کے خلاف قدم اٹھانا بھی ملت سے خیانت و بددیانتی ہے۔ دوست ہو کر دوستی نہ بنا ہونا بھی خیانت و بددیانتی ہے۔ بیوی میاں کی وفاداری نہ کرے یہ بھی خیانت ہے۔ دل میں کچھ رکھنا اور زبان سے کچھ کہنا اور عمل سے کچھ اور ثابت کرنا بھی خیانت ہے۔ اسلام کی اخلاقی شریعت میں یہ ساری خیانتیں یکساں مینوع ہیں۔

اللہ ﷻ و رسول ﷺ کے ساتھ خیانت یہ ہے کہ اقرار کر کے پورا نہ کیا جائے، ایمان داری سے ان کے حکموں کی تعمیل نہ کی جائے، دین و ملت کے مصالح کے ساتھ غداری کی جائے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے دشمنوں کو چوری چھپے امداد پہنچائی جائے یا مسلمانوں کے چھپے راز ان کو بتائے جائیں۔

آنحضرت ﷺ جن بری باتوں سے اللہ ﷻ کی پناہ مانگا کرتے تھے ان میں سے ایک خیانت بھی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ”الہی مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت بڑا اندرونی ساتھی ہے۔“ (ابوداؤد، نسائی)

خیانت کے ایک معنی یہ ہیں کہ کسی جماعت میں شامل ہو کر خود اس جماعت کو جڑ سے اکھاڑنے کی فکر میں لگے رہنا اور جس پر کسی امر میں بھروسہ کیا جائے اس کا اس بھروسہ کو پورا نہ کرنا بھی خیانت ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں ہر قسم کی امانتوں کی ادائیگی کا حکم اور ہر قسم کی خیانت کی مذمت معلوم ہوئی۔ اللہ ﷻ کے حقوق جو بندوں پر ہیں، یہ سب امانتیں ہیں جن کی ادائیگی یا اضاعت ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے کہ میں نے کس حکم پر عمل کیا اور کس حکم کی عدولی کی۔ دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی اسی طرح سے آپس میں حقوق العباد جو ایک دوسرے پر واجب ہیں وہ بھی امانتیں ہیں۔ ان کی ادائیگی فرض ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے متعلق احکام میں امانت دار ہے۔ چھوٹے بڑے حکام اور ملوک و روساء اور وزراء بھی امانت دار ہیں۔ انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت

اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع و مشتری اور سفر کے ساتھی اور پڑوسی، میاں بیوی، اور ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانت دار ہیں۔ جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا، گناہ گار ہوگا اور میدانِ آخرت میں پکڑا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سب نگران ہو ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ جس چیز کی نگرانی سپرد کردی جائے اسے رعیت کہا جاتا ہے۔ جو شخص امام ہے یعنی اقتدار اعلیٰ سنبھالے ہوئے ہے وہ سب لوگوں کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کے بارے میں نگران ہے۔ اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا۔ پھر غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا۔ پھر بطور تائید، بطور کلیہ ارشاد فرمایا۔ خبردار! تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۰، بخاری و مسلم)

نظر آتا نہیں کوئی مسلمان آج ملت میں
مسلمان گو ہیں کہنے کو، نہیں لیکن حقیقت میں

.....☆☆☆.....



ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
 وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَاَوْفُوا بِالْقِسْطِ اِسْمُ اللّٰهِ خَيْرٌ
 وَاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۵)

”اور پورا بھر دو ناپ، جب ماپ کر دینے لگو، اور تو لو سیدھی ترازو سے یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام۔“ (گلدستہ تفسیر جلد ۴)

یعنی جھونک نہ مارو۔ ماپ تول میں کمی کرنے سے معاملات کا انتظام مختل ہو جاتا ہے۔ روایات میں ہے کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت پائے، محض خدا کے خوف سے رک جائے تو اللہ ﷻ اس دنیا میں آخرت سے پہلے اس کو نعم البدل عطا فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرات فقہائے کرام نے فرمایا کہ اس آیت میں ناپ تول میں کمی کا جو حکم ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا محتاق ہے اس سے کم دینا حرام ہے۔ اس لئے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ملازم اپنے مفوض اور مقررہ کام میں کمی کرے یا جتنا وقت دیتا ہے اس سے کم دے یا مزدور اپنی مزدوری میں کام چوری کرے۔

اور دغا بازی اول تو چلتی ہے پھر لوگ خبردار ہو کر اس سے معاملہ نہیں کرتے۔ اور پورا حق دینے والا سب کو بھلا لگتا ہے۔ اللہ ﷻ اس کی تجارت خوب چلاتا ہے۔ (گلدستہ تفسیر جلد ۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ناپنے اور تولنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بلاشبہ وہ ایسی چیزیں جو تمہارے سپرد کی گئی ہیں جن کے بارے میں تم سے پہلے گزشتہ امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۵۰ از ترمذی)

ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے۔ گزشتہ امتیں اس فعل بد کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ یہ قوم ناپ تول میں کمی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا كُنَّ اَلْوَاغِلُ عَلٰى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَانُوْهُمْ اَوْوَرُوْهُمْ

يُخَسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (مطففين پ ۳۰)

”ان کم کر دینے والوں کے لئے افسوس ہے جو لوگوں سے لیتے وقت پورا پورا لیتے ہیں اور جب ناپ یا وزن سے دیتے ہیں کم دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ وہ ایک بڑے دن میں اٹھائے جائیں گے جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔“

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں ابو جہیمہ نامی ایک ایسا شخص تھا جس کے پاس دو پیانہ تھے۔ ایک سے لیتا تھا اور دوسرے سے دیتا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ”وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ“ ان پر افسوس ہے جو لوگوں سے لیتے وقت پورا پورا بلکہ (داؤ چلے تو) زیادہ بھی وصول کرتے ہیں اور ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں۔ آیت میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ”الَّذِينَ إِذَا اُكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝“ یعنی حق پورا یا کچھ زیادہ وصول کرتے ہیں۔ ”وَإِذَا كَانُوا لَهُمْ أَوْزَارًا تَوَهَّمُ يُخَسِرُونَ ۝“ لیکن جب اپنا مال ناپ یا وزن سے دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔ ”أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ“ کیا یہ لوگ جو اس حرکت کا ارتکاب کرتے ہیں جانتے ہیں ”أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝“ وہ ایک بڑے دن میں اٹھائے جائیں گے، یہ دن نہایت عظیم اور ہولناک ہوگا۔ ”يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝“ جس دن یہ لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ وہ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے کہ ان کے تن پر کپڑا نہیں ہوگا اور ان کی ختنہ نہیں ہوئی ہوگی اور اس حال میں ان کا حشر ہوگا۔ ان میں بعض اشراف ہوں گے جو بجلی جیسی تیزی سے (پل صراط سے) گزر جائیں گے۔ بعض پیدل گزریں گے، کچھ منہ کے بل گرتے پڑتے جائیں گے، بعض اٹختے لرزتے، کانپتے اور لڑکھڑاتے ہوئے چلیں گے اور کچھ منہ کے بل گھسیٹ کر چلیں گے۔ اور ان کی یہ ہیئت کذائی ان کے اعمال کی بدولت ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ رب کے حضور حساب کتاب کے لئے کھڑے ہوں گے اور جیسا ان کا عمل ہوگا اس کے مطابق انہیں نیکی اور بدی کی جزا ملے گی۔ نیکی کا بدلہ نیک ملے گا اور جس قدر برائی انہوں نے کی ہوگی، اس کا بدلہ ان کو ملے گا۔ (مہلک بیماریاں)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں پڑ گے تو تمہارا حشر بھی اس کے مطابق ہوگا اور تم اس میں پڑو، اس بات سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ وہ خصلتیں یہ ہیں:

۱..... جس قوم میں بخش کاری عام ہوگی وہ کھلم کھلا بے حیائی کرے گی۔ ان کے اندر طاعون اور ایسی وبائیں پھیلیں گی جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں پھیلیں۔

۲..... اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی وہ قسط سالی اور سخت مشقت میں مبتلا ہوگی اور حکام ان پرستم کے پہاڑ توڑیں گے۔

۳..... اور جو قوم اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دے گی وہ بارش کے قطروں سے محروم رہے گی۔ اگر ان کے مویشی نہ ہوتے تو ان پر آسمان سے ایک قطرہ بھی نہ پڑتا۔

۴..... اور جو قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑ دے گی، اللہ تعالیٰ ان پر غیروں میں سے ایسے دشمن مسلط فرمائے گا جو ان کا سب کچھ چھین لیں گے۔

۵..... اور جس قوم کے آئمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے اور اس کے نازل کردہ احکام کی تعمیل نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اندر شدید باہمی جھڑپیں اور لڑائیاں پیدا کر دے گا۔

ناپ تول میں کمی بیشی کرنا حقیقت میں دوسرے کے حق پر ہاتھ ڈالنا ہے۔ جو کوئی لینے میں

تول کو بڑھاتا اور دینے میں گھٹاتا ہے وہ دوسروں کی چیزوں پر بے ایمانی سے قبضہ کرتا ہے اور یہ بھی

چوری ہی ہے۔ چوری کی عام قسم تو وہی ہے جس کو سرقت کہتے ہیں اور جس کی پاداش میں چور کے ہاتھ

کاٹنے کا حکم شریعت نے دیا ہے۔ اور جس کی برائی ہر مذہب اور ملک نے یکساں کی ہے۔ لیکن اسلام

کی تکمیل تعلیم یہ ہے کہ اس میں نازک سے نازک ناجائز معاملوں کی بھی جن کو عام طور سے چوری نہیں

سمجھا جاتا، تشریح کی اور ان کی برائیوں کی تشہیر کی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی تعلیم سے ان

کی اہمیت کو ظاہر فرمایا اور ان سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم چیز ناپ تول کی کمی

بیشی ہے۔ جس سے ہر وقت کام پڑتا ہے اور جس میں خاص طور سے تاجر اور بیوپاری مبتلا رہتے ہیں۔

اور جس سے زیادہ تر غریبوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فطری قوانین میں سے ایک بڑا قانون

عدل ہے، جس کا منشا یہ ہے کہ جس کی جو چیز ہو وہ اس کو دے دی جائے۔ یہی وہ میزان یعنی ترازو ہے جسے اللہ ﷻ نے دنیا میں قائم کیا ہے اور جسے تول تول کر ہر شخص کو اس کا حق دینا چاہیے۔ جو شخص دوسرے کا جو حق ہے اس کو نہیں دیتا یا دینے میں کمی کرتا ہے وہ اس ترازو سے کام نہیں لیتا، وہ دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک دوسرے پر رحم دلی اور ہمدردی اسلامی اخوت کا فریضہ ہے اور اس کا اہم تقاضا ہے اور اسلامی بھائی چارگی ہی نہیں، انسانی اخوت بھی اس کا تقاضا کرتی ہے اور جب سے اللہ ﷻ نے انسانوں کو پیدا فرمایا، ہر انسان کو دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا، لین دین کرنا، اور حسن سلوک کرنا ان کے لئے ضروری ہے۔ ایک مومن ہی نہیں بلکہ شریف انسان کا بھی تقاضا ہے کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں وہ مخلص رہے، ان کے ساتھ دھوکہ فریب اور ان کے حقوق میں کمی نہ کرے اور ناپ تول اور پیمائش میں کمی نہ کرے، اس لئے کہ یہ مہلک گناہ کبیرہ ہے۔

لہذا ناپ تول اور پیمائش میں کمی کرنا جہاں حرام ہے اور اس کا شمار لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے میں ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ عمل حد درجہ گھٹیا، ذلیل، بددیانتی، بے مروتی، ناشکری اور اسلامی اور انسانی بھائی چارگی کے یکسر منافی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ مذکورہ کوئی ایک بد خصلت بندہ مومن کی اصلاح اور تنبیہ کے لئے کافی ہے۔ چہ جائیکہ ان میں سے ہر خرابی سے اس کو احتراز کی تلقین کی جائے۔ پھر قرآن کریم کا نزول انبیاء بالخصوص نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سنت کی تدوین، اور اس کی اشاعت کا مقصد ہی انسانوں کی رہنمائی اور ان کی سعادت کی ضمانت کے لئے ہے۔ اس لئے ہر مومن کا یہ فرض ہے کہ وہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے عبرت اور نصیحت سیکھے اور ایسی بد عادتوں سے گریز اور پرہیز کرے۔ جو ایمان اور اسلام کے شدید منافی ہیں اور نیک توینق بس اللہ رب العزت کی طرف سے ہے۔ (استفادہ: معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج)

طریقہ ہے زمانے کا یہی، کیا کیجئے اس کو
کوئی برباد کرتا ہے، کوئی برباد ہوتا ہے

.....☆☆☆.....

سودی لین دین نہ کرو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبْوَا وَيُرِي الْمَصْدَقَاتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفّٰرٍ اَنِيْمٍ ۝ (البقرہ، ۲۷۶)
”اللہ ﷻ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ ﷻ پسند نہیں فرماتے، کسی کفر کرنے والے کو کسی گناہ کے کام کرنے والے کو۔“

بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سود کبھی تو دنیا ہی میں سب برباد ہو جاتا ہے، ورنہ آخرت میں تو یقینی بربادی ہے۔ کیونکہ وہاں اس پر عذاب ہوگا۔ برخلاف اسکے صدقہ دینے میں کوئی الحال مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مال کار اللہ تعالیٰ جل شانہ صدقات کو بڑھاتا ہے کبھی تو دنیا میں بھی، ورنہ آخرت میں تو یقیناً بڑھاتا ہے۔ کیونکہ وہاں اس پر بہت ثواب ملے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود کا ایک درہم جس کو انسان کھالے اور وہ جانتا ہو کہ یہ سود کا ہے تو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور دوسری حدیث میں یوں ہے کہ سود کے گناہ کے سترھے ہیں، ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ جیسے انسان اپنی ماں سے زنا کرے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا کہ گناہ میں یہ سب برابر ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۴)

بڑا مال دار بننے کی حرص میں حلال و حرام کی تمیز نہیں کی جاتی۔ حلال عموماً زیادہ نہیں ملتا ہے۔ حرام طریقوں ہی سے رئیس کبیر بنتے ہیں۔

بہت سے لوگ لائف انشورنس یعنی ”بیمہ زندگی“ کراتے ہیں۔ یہ معاملہ قمار یعنی جوا ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر کسی شخص نے جہالت کی وجہ سے کچھ اقساط جمع کئے ہوئے ہوں تو توبہ کرے اور جس قدر رقم جمع کی ہے صرف اسی قدر وصول کر لے۔ اس سے زائد اس کو یا اس کے وارثوں کو لینا

حرام ہے۔ (تحفۃ المسلمین جلد دوم)

سود ایک ایسی لعنت ہے کہ جو اب دیگر تمام برائیوں سے زیادہ پھیل گئی ہے۔ کیونکہ یہ واحد معصیت ہے جس کا اشتہار، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات کے ذریعہ ہر روز بلکہ ہر لمحہ دیا جاتا ہے اور اس کے حرام کو معاشرہ کا ناسور سمجھنے کی بجائے اس کو شیر مادر بتایا جاتا ہے۔

سودی لین دین میں ایسے اصحاب بھی ملوث پائے جاتے ہیں کہ جو نماز اور روزہ کے پابند ہیں، لیکن اپنی تجارتی اغراض کے تحت اس لعنت میں گرفتار ہیں۔ شرابی، جواری، اور زنا کار اپنے افعال کی وجہ سے بدنام بھی ہو جاتا ہے لیکن سودی کاروبار کرنے والے عموماً ظاہر نہیں ہوتے، سوائے اس طبقہ کے جس کا باقاعدہ روپیہ سود پر چلتا ہے۔

قیام پاکستان تک سود کی لعنت محدود تھی، ایک مخصوص طبقہ سود پر روپیہ لاتا تھا، یا غیر مسلم یہ کاروبار کرتے تھے۔ لیکن ان کے تحتہ مشق بھی عموماً غریب مسلمان ہی ہوتے تھے۔ جو اپنی ضروریات کے لئے سود پر قرض حاصل کرتے تھے۔ لیکن اس سلسلہ میں آج امیر و غریب کا فرق ختم ہو چکا ہے۔ اب اکثریت اس لعنت میں مبتلا ہے۔ بلکہ غریب سے زیادہ مالدار اس میں مبتلا ہیں کہ کم وقت میں زیادہ دولت کی ہوس شیطان کے پھندے میں پھنسا رہی ہے۔

لاکھوں روپے سے کاروبار کرنے والے بلکہ کروڑوں روپے والے بھی مزید کمائی کی غرض سے شیر مادر سمجھ کر ہضم کر رہے ہیں۔ سود لالچ کی پیداوار ہے،

بنیادی صورت میں ہوس اور لالچ اس کا منبع ہیں۔ سود لینے والا اور دینے والا دونوں لالچ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر جہنم میں گھر بنا رہے ہیں۔ سود ادا کرنے والا کسی وقت معذور و مجبور بھی قرار دیا جاسکتا ہے (صرف وہ جو انتہا درجہ مجبوری کی حالت میں فاقہ کشی سے یا کسی قرض خواہ کا قرض ادا کرنے کی خاطر اپنی جان بچانے کے لئے یہ حرکت کرے۔ اگرچہ جائز اس وقت بھی نہیں ہے۔) لیکن سود وصول کرنے والا ہر لحاظ سے لالچ اور حرص کا غلام ہے۔

سود کے نقصانات اس دنیا میں بھی ظاہر ہو رہے ہیں لیکن ان پر غور نہیں کیا جاتا۔ چونکہ یہ لعنت ہمہ گیر ہے، دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں اس کا رواج عام ہے اس لئے اب اس برائی کو برائی سمجھنا بھی صرف اہل ایمان کا حصہ رہ گیا ہے۔

اگر سود کی لعنت نہ ہو تو ہر تاجر اپنے سرمایہ کے مطابق مال اشاک کر سکے گا اور زیادہ عرصہ مال کو نہ روک سکے گا۔ بلکہ کم نفع اور زیادہ فروخت کے اصول پر جلد از جلد فروخت کر دے گا۔ اس طرح عام آدمی کو اس کی ضروریات کی اشیاء فراہم ہوتی رہیں گی۔

سودی کاروبار ایک ایسا جال ہے کہ جس میں مبتلا ہو کر انسانیت دم توڑ رہتی ہے اور غریب، غریب تر اور سرمایہ دار امیر تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ سود کے سلسلہ میں عام طور پر صرف نقد روپیہ کے لین دین کو جس پر نفع طے کر لیا جائے، سود سمجھا جاتا ہے۔ یعنی ایک شخص نے کچھ رقم قرض لی اور یہ طے کر لیا کہ جب تک یہ رقم واپس ادا نہیں کروں گا، دس یا بارہ فیصد ادا کروں گا جو بطور سود ہوگی، اصل رقم بدستور رہے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ سود ہے اس کا لینا دینا دونوں حرام ہیں۔ بظاہر اسی لین دین کو سود کہتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ سود کے مسائل نہایت نازک ہیں اور بہت سی صورتوں میں سود کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ سود کے مسائل بہشتی زیور حصہ پنجم میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ کوئی مشکوک لین دین بھول کر بھی نہ ہو۔

سودی لین دین کا طریقہ :-

عام طور پر تجارت پیشہ افراد کس طرح سود لیتے اور دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

☆..... بینک سے روپیہ نقد قرض لیا اور اس کی ضمانت میں جائیداد رکھی یا نہیں رکھی۔ قرض لئے ہوئے سرمایہ پر سود ادا کرتے رہے، یہ طریقہ عام طور پر رائج ہے۔ بینک کے علاوہ بھی کچھ لوگ یہ کاروبار کرتے ہیں۔

☆..... بینک کے ذریعہ لیٹرف آف کریڈٹ کھول کر مال منگوا لیا، چونکہ بینک اس مال کی قیمت خریدار کی جانب سے ادا کرنے کی ضمانت لیتا ہے، اس لئے بینک اس ضمانت والی رقم پر سود وصول کرتا ہے۔

☆..... اگر خریدار نے مال بینک کے ذریعہ کسٹم سے وصول کر لیا تو بینک مزید سود اس رقم پر وصول کرے گا کہ جو کسٹم کی ادائیگی کے سلسلہ میں بینک ادا کرے گا۔

☆..... مال فوری طور پر فروخت کرنا مقصود نہیں ہے یا بینک کی رقم ادا کرنے کا انتظام نہیں ہے تو یہ مال بینک اپنے گودام میں رکھ لے گا اور اس تمام عرصہ کے اخراجات کرایہ گودام وغیرہ کے علاوہ بینک اس تمام رقم پر

وصول کرتا رہے گا۔ جو بینک نے اس مال پر خرچ کی ہے۔ اس کے علاوہ تجارتی اداروں کو بینک اور ڈرافٹ بھی دیتا ہے جس پر سود لیا جاتا ہے۔

☆..... کاروباری افراد آپس میں بھی یہ سب لین دین کرتے ہیں۔ تمام بڑی مارکیٹیں اس قسم کے کاروبار میں احتیاط نہیں کرتیں اور ایک دوسرے کا مال گروہی رکھ کر سود پر روپیہ دیتے اور لیتے ہیں۔ جس کا اصل مقصد مال کو روکنا اور زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا ہے۔ غرضیکہ درجنوں صورتوں میں بڑا سرمایہ دار چھوٹے تاجر کو سود کے ذریعہ شکنجے میں جکڑے رکھتا ہے۔

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ سیاست
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

(تخصیص از سودا اقتصادی اور معاشی لعنت)

جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ بیمہ زندگی حرام ہے اور سود کا لین دین بھی حرام ہے اور باعث لعنت ہے تو علمائے کرام کو کوسنے دینے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء کا یہی کام ہے کہ قوم کی ترقی کا جو بھی کوئی راستہ نکلتا ہے اس میں اڑے آجاتے ہیں۔ اور فٹوے ٹھوکنے لگتے ہیں۔ دوسری قومیں کہاں سے کہاں نکل گئیں، ان میں بڑے بڑے مالدار ہیں۔ سیٹھ ہیں، ان کے بینک جاری ہیں، علماء نے قوم کو تنگدستی کے غار میں دھکیل دیا ہے اور چننا ہے، چنیں ہے۔ مولویوں کا تو یہ احسان ہے کہ وہ یہ بتا دیتے ہیں کہ یہ کام حرام ہے اور گناہ ہے۔ وہ اپنے پاس سے کچھ کہیں تو وطن و تشیع کرنے کی کوئی وجہ بھی ہے، لیکن جب وہ قرآن و حدیث سے بیان کرتے ہیں تو جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ان پر لازم ہے کہ علمائے امت کی بات مانیں اور حرام کاموں سے بچیں۔

کیونکہ یہ تمام اسلامی احکامات اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مخلوق کی خدمت کی تعلیم دیتے ہیں، جو کام اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے تکلیف و آزار کا باعث بنے وہ حرام ہے، اس لئے سود کو بھی مخلوق کے فائدہ کے لئے حرام کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہم سب کو اعمال صالحہ کی اور ممنوعات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور ابلیس لعین سے محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

چوری نہ کرو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالسَّارِقِ وَالسَّارِقَةَ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا.

”اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کا کاٹ ڈالوان کے ہاتھ۔“

صحیح بخاری و مسلم میں حضور اکرم ﷺ کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے۔ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ٹھین تھا، یعنی قیمتی تھا۔ اور جب یہ خائن ہو گیا، اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

ہاتھ کا اطلاق پورے ہاتھ موٹہ ہونے تک ہوتا ہے، اس لئے خوارج کے نزدیک چور کا ہاتھ موٹہ ہے سے کاٹنے کا حکم ہے۔

لیکن امت اسلامیہ کا عمل ہمیشہ سے یونہی چلا آیا ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ پہونچے (ہتھیلیوں کے جوڑ تک) سے ہاتھ کاٹا جائے۔ عمل متواتر اور ایسے اجماع کیلئے کسی سند اور خصوصی دلیل کی ضرورت نہیں (پوری امت کا اتفاق گمراہی پر نہیں ہو سکتا)۔ خصوصی طور پر کچھ احادیث بھی آئی ہیں جن کے اندر پہونچے سے ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے۔ ابن شیبہ میں لکھا ہے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے جوڑ سے ہاتھ کٹوائے تھے۔

حضرت صفوان مسجد میں سو رہے تھے کسی شخص نے ان کے سر کے نیچے سے چادر چرائی۔ رسول اللہ ﷺ نے چور کا ہاتھ کٹوا دیا۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۱۳ بوداؤد، نسائی)

حضرت فضالہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چور کولایا گیا (بموجب حکم قرآن) اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۱۲ از ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود (شرعی سزاؤں) کو ساقط کرو۔ مسلمان کے لئے خلاص کا اگر کوئی بھی راستہ نکل سکتا ہو تو اس کو رہا کر دو۔ کیونکہ غلطی معاف کر دینا سزا میں خطا کرنے سے حاکم کے لئے بہتر ہے۔ (جامع ترمذی، حاکم بیہقی)

ابن ماجہ نے جس سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تک تم کو دفع کرنے کا راستہ ملے، اللہ کے بندوں سے حدود کو دفع کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ حدود کو دفع کرو مگر امام کے لئے حدود کو معطل کر دینا جائز نہیں۔ (کہ کامل ثبوت کے بعد بھی سزا نہ دے)۔ (رواہ الدارقطنی والبیہقی از گلدستہ تفاسیر جلد ۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک مخزومی عورت لوگوں کا سامان بطور عاریت (ادھار) لے کر منکر ہو جاتی تھی۔ حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا، اس عورت کے آدمی نے حضرت اسامہ بن زید کے پاس کچھ عرض معروض کی جس کی وجہ سے حضرت اسامہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسامہ! میرا تو خیال تھا کہ تم اللہ ﷻ کی قائم کی ہوئی کسی حد میں مجھ سے کبھی کچھ نہ کہو گے۔ پھر باہر تشریف لا کر خطبہ دینے حضور ﷺ کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا تم سے پہلے والے لوگ اس لئے تباہ ہو گئے کہ اگر ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور کمزور چوری کرتا تھا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔ تم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔ (گلدستہ تفاسیر جلد ۲)

کسی کی رکھی ہوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر چھپا کر لے لینے کی سب سے کمینی حرکت کا نام چوری ہے۔ اس لئے اس کی سزا بھی بڑی رکھی گئی ہے۔ یعنی ہاتھ کاٹ ڈالنا۔

چوری کی برائی کی وجہ یہی نہیں ہے کہ چور دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر چپکے سے اپنے تصرف میں لے آتا ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی جائز محنت سے کما کر جو حاصل کرتا ہے، دوسرا بغیر کسی جائز محنت کے بے وجہ اس پر قبضہ کر کے پہلے کی محنت کو اکارت کر دیتا ہے۔ اگر اس کی روک تھام نہ کی جائے تو کسی کو اپنی محنت کا پھل نہ ملے۔ اس کے علاوہ اس ایک برائی میں کتنی برائیاں شامل ہیں۔ بے وجہ دوسرے کے گھر میں داخل ہونا اور اس کی ملکیت کا جائزہ لینا، مرتکب فعل کے حبش باطن کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر اس کی بدولت ناحق خون بھی بہتا ہے اور بے گناہ جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور چونکہ چور بڑے بڑے سرمایہ پر کسی جائز محنت کے بغیر قبضہ پالیتا ہے، اس لئے وہ اس کو

بڑی بے دردی سے ضائع کر دیتا ہے۔ اور خود بھی اس سے بہت کم فائدہ اٹھاتا ہے، بلکہ اس دولت کا بڑا حصہ انھائے جرم کی خاطر برباد کر ڈالتا ہے۔

اہل عرب میں شاید عام افلاس کے سبب سے یہ بیماری اتنی پھیلی تھی کہ اسلام نے اس کے انسداد کے لئے مسلمان ہونے والوں سے اس کی بیعت یعنی ضروری سمجھی۔ سورہ ممتحنہ میں ان چند باتوں کا ذکر ہے جن کا عہد مسلمان ہونے والی عورتوں سے لیا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ چوری نہ کریں گی۔ فتح مکہ کے دن جب مکہ کی خواتین اسلام قبول کرنے آئیں تو آپ ﷺ نے ان سے بھی اس کا عہد لیا۔ اس موقع پر ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، وہ میرے اور میرے بچوں کے لئے پورا خرچ نہیں دیتے۔ مگر یہ کہ میں ان کے مال سے کچھ چھپا کر لے لوں۔ فرمایا تم ان کے مال سے اتنا لے لیا کرو جو انصاف اور دستور کے مطابق تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے کافی ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الفقات)

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ اسلام کا جوش مسلمانوں میں ایک اخلاقی انقلاب پیدا کر دیتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہندہ کو اتنی صفائی کے ساتھ اپنے گھر کا بھید کھولنے کی حاجت نہ تھی۔ دوسری یہ کہ جس کا فقہ ہمارے ذمہ ہے اگر ہم اس کو ادا نہ کریں اور وہ حسب ضرورت ہم سے پوچھے بغیر ہمارے حساب سے کچھ لے لے تو یہ چوری نہیں۔

یہ عہد صرف عورتوں ہی سے نہیں بلکہ مسلمان مردوں سے بھی آپ ﷺ نے لیا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہم سے عہد کرو کہ تم شرک، چوری اور بدکاری نہ کرو گے۔ پھر یہ آیت پڑھی: ”جو کوئی یہ عہد پورا کرے گا تو اس کی مزدوری اللہ ﷻ کے ذمہ ہے اور جو ان میں سے کسی ایک کا مرتکب ہو اور اس کی سزا اس کو دے دی گئی تو اس کے گناہ کا کفارہ ہو گیا اور اگر کسی نے ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب کیا اور اللہ ﷻ نے اس کو چھپا دیا تو اس کی بخشش اللہ ﷻ کے ہاتھ میں ہے۔ چاہے معاف کرے اور چاہے سزا دے۔“ (صحیح البخاری کتاب الحدود)

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے چور پر لعنت بھیجی۔ فرمایا: اللہ ﷻ چور پر لعنت کرے کہ ایک

معمولی خودیاری چراتا ہے پھر اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

چوری کا گناہ بھی اس لئے کرتا ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے حاضر و ناظر پر یقین نہیں رکھتا، یا کم از کم یہ کہ فعل کے ارتکاب کے وقت اس کا یقین ماند پڑ جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جب بندے نہیں دیکھتے تو اللہ ﷻ بھی ہم کو نہیں دیکھتا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جب چور چوری کرتا ہے تو اس میں ایمان نہیں رہتا۔ (صحیح البخاری کتاب الحدود)

چور سماج کا عضو معطل بن جاتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی عضو ناکارہ ہوتا ہے تو اس کے آپریشن کا مشورہ دیا جاتا ہے تاکہ زہر کا باقی حصہ اور بدن میں سرایت نہ کر جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ ﷻ نے چور کا ہاتھ کاٹ دینے کا فیصلہ صادر فرمایا، تاکہ سماج کے اندر یہ زہر جڑ نہ پکڑ لے۔ اور فتنہ پرور، دغا باز، چوری اور اٹھائی گیری کو پیشہ بنا کر غارت گری کا بازار نہ گرم کر دیں۔ خلق خدا خوف و دہشت اور گھبراہٹ میں مبتلا نہ رہے اور نہ ان کا مال لوٹ مار اور ڈکیتی کی نذر ہو جائے۔

الغرض! اس فاجر کو چاہئے کہ اگر وہ اللہ ﷻ کی رحمت اور اپنے گناہوں کی مغفرت کا طالب ہو تو جن کا مال اس نے چرایا ہے انہیں پورا پورا مال لوٹا دے اور اگر مالک مر گیا ہو تو اس کے ورثا کو دیدے اور اللہ ﷻ سے خالص توبہ کرے اور پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ ایسی ظالمانہ حرکت نہیں کرے گا۔ ورنہ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور اگر (دوزخ) اس کا مقدر ہے تو اس میں شک نہیں کہ دوزخ بدترین ٹھکانہ ہے اور نیک توفیق بس اللہ ﷻ کی طرف سے ہے۔

مقبول عبادت نہیں ہے اکل حلال
ہے حکم خدا کہ کھاؤ تم طیب مال

.....☆☆☆.....

رشوت سے بچو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
وَلَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا
مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ پ ۲، ۱۸۸)

” اور ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ اس کو (بطور رشوت) حاکموں کے پاس پہنچاؤ
تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کا مال جان بوجھ کر ناجائز طور پر کھا جاؤ۔“ (اللہ کے احکام ص ۷۸)

اللہ بزرگ و برتر نے آیت مبارکہ میں ناجائز مال کھانے سے اور رشوت خوری سے منع فرمایا
ہے، اگرچہ رشوت ایسی شے نہیں جسے کوئی نہ سمجھتا ہو۔ لیکن بعض لوگ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے لئے
بھی جھوٹ موٹ اپنے آپ کو مطمئن کرنے اور دوسروں کی نگاہوں میں سچا بننے کے لئے رشوت کو ایسے
بھی دیتے ہیں کہ حرام حلال ہو جائے۔ وہ رشوت جیسی حرام شے کو نذرانہ، انعام اور تحفہ کہہ کر مطمئن
ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ رشوت بہر حال رشوت ہے، خواہ اس کا نام کتنا ہی اچھا رکھ لو۔

ایک آدمی صاحب اختیار ہے، عدالت کا حاکم ہے یا سرکاری غیر سرکاری عہدیدار ہے اور اس
سے کسی کا کوئی کام انکا ہوا ہے یا وہ کسی کی اچھائی برائی کا اختیار رکھتا ہے۔ اب اگر اسے کوئی شخص کوئی رقم
پیش کرتا ہے، وہ کھلی رشوت ہے۔ اپنا کام نکالنے کے لئے وہ جو کچھ دے گا وہ نذرانہ یا تحفہ نہیں بلکہ
رشوت کی فہرست میں آئے گا۔

رشوت لینا اور رشوت دینا حرام ہے۔ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں مجرم ہیں۔
حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الرَّايِسِيُّ وَالْمُرْتَشِيُّ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ.

”رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔“

مندرجہ بالا آیت میں بھی اللہ ﷻ نے یہی فرمایا ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طور پر حاصل
کرنے کے لئے اور اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے حکام کے پاس مال نہ پہنچاؤ۔ ایک دوسرے کو
تحفے تحائف دینا بالکل جائز ہے، بلکہ حبیب پاک ﷺ کی سنت ہے۔ اس سے باہمی تعلقات اور محبت

اور الفت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن رشوت حرام ہے، رشوت دینا بھی حرام ہے اور لینا بھی حرام ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی رشوت
دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۶ از مسند احمد، بیہقی فی شعب الایمان)

رشوت دینے والے پر یوں کہ وہ جرم کی اعانت کرتا ہے اور جرم کی اعانت قانون اور اخلاق
دونوں میں منع ہے۔ خیبر کے یہودیوں سے زمین کی آدھی آدھی پیداوار پر مصالحت ہوئی تھی۔ جب
پیداوار کی تقسیم کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ صحابی کو بھیجتے، وہ
ایمانداری سے پیداوار کے دو حصے کر دیتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ ان دو میں جو چاہو لے لو۔
یہودیوں نے اپنے دستور کے مطابق ان کو بھی رشوت دینا چاہی۔ آپس میں چندہ کر کے اپنی عورتوں
کے کچھ زیور اکٹھے کئے اور کہا کہ یہ قبول کرو اور اس کے بدلہ میں تقسیم میں ہمارا حصہ بڑھا دو۔ یہ سن
کر حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ فرمایا، اے یہودیو! اللہ کی قسم! تم اللہ کی ساری مخلوق میں مجھے بغوض ہو
لیکن یہ مجھے تم پر ظلم کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ اور جو تم نے رشوت پیش کی ہے وہ حرام ہے ہم (مسلمان
) اس کو نہیں کھاتے۔ یہودیوں نے ان کی یہ تقریر سن کر کہا کہ ”یہی وہ (انصاف) ہے جس سے آسمان
اور زمین قائم ہیں۔“

(موطا امام مالک کتاب المساقات)

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمال کو رعایا سے ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے کی ممانعت فرمائی۔

(ابوداؤد، کتاب الاقصر و کتاب الجہاد)

ایک دفعہ ایک عامل نے آ کر کہا کہ یہ صدقہ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ یہ سن کر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی، حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

عامل کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اس کو بھیجتے ہیں تو آ کر کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ میرا ہے۔ تو اپنے
باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھ کر نہیں دیکھتا کہ اس کو تھپے ملتے ہیں یا نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے
ہاتھ میں میری جان ہے، وہ اس میں سے جو لے جائے گا وہ قیامت میں اپنی گردن پر لاد کر لائے گا۔

اونٹ، گاڑی، بکری جو ہو، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین بار فرمایا ”میں نے پہنچا دیا“۔

(صحیح البخاری باب ہدایۃ العمال)

کسی کے مال سے ناجائز طریقہ سے فائدہ اٹھانے کی ایک عام صورت رشوت ہے۔ رشوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ کے پورا کرنے کے لئے کسی ذی اختیار یا کار پرداز شخص کو کچھ دے کر اپنے موافق کر لے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَعَنَ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ فِي الْحُكْمِ .

”فیصلہ دینے میں رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت ہے۔“

”راشی“ رشوت دینے والے کو کہتے ہیں جبکہ رشوت لینے والے کو ”مرتشی“ کہتے

ہیں اور حدیث کی رو سے رشوت دینے والا اس وقت ملعون ہوگا، جب وہ کسی مسلمان کو اذیت پہنچانا چاہے گا۔ یا ایسا مال ہتھیالینا چاہتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں۔ لیکن اگر اپنا حق حاصل کرنے یا ظلم کو دفع کرنے کے لئے رشوت دی تو ایسا شخص لعنت میں داخل نہیں ہوگا۔ رہا حاکم، تو اسے ہر حال میں رشوت لینا حرام ہے، خواہ رشوت لے کر کسی کا حق باطل کرے یا ظلم کا دفعیہ کرے۔ اسی طرح حسب ذیل صورتیں رشوت میں داخل ہیں:

تیٹیوں کے مال کا نگران، حاکم وقت کو اسلئے روپیہ دینا تاکہ اس کی نگرانی تادیر برقرار رہے۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہی کے لئے روپیہ لینا، دینا، ان حکام کو تحفہ و تحائف بھیجنا جن کی عدالت میں مقدمہ زیر سماعت ہو۔ کسی منصب پر فائز ہونے سے پہلے جن حکام کو کوئی تحفہ نہیں دیا جاتا، منصب پر فائز ہونے کے بعد تحائف دینا۔ خلاصہ یہ کہ کسی ماتحت کا اپنے سربراہ کو تحفہ دینا حرام ہے، نیز ایسی احادیث وارد ہیں جن میں رشوت کا لین دین کرنے اور ان کے درمیان بھاگ دوڑ کرنے والے پر لعنت وارد ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکی ہیں۔

حق کے حصول یا کسی باطل کے دفع کرنے کے لئے یا کسی محکمہ سے منسلک ذمہ دار آفیسر سے یا اس کے شعبہ سے تعلق رکھنے والا کوئی کام کرانے کے لئے رشوت کا لین دین کرنا بھی گناہ کبیرہ اور

حرام ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس! آج کل رشوت اس قدر عام ہو چکی ہے بالخصوص حکومت کے ملازمین، وکلاء اور منج صاحبان کے اندر بیماری کی طرح رشوت پھیل چکی ہے اور نوبت یہاں تک آچکی ہے کہ دفتر کے نچلے ملازم سے لے کر اوپر تک معمولی سے معمولی کام کے لئے رشوت لیتے ہیں۔ مثلاً: راہ داری کا پروانہ دینے، لائسنس نکالنے، پرمٹ دینے یا کسی بھی دفتری کام کے لئے چائے پانی اور تحفہ و تحائف کے نام پر رشوت لی اور دی جاتی ہے۔

بعض بد باطن ایسے ناموں سے رشوت لیتے ہیں جن ناموں کو شیطان نے رکھ چھوڑا ہے اور یہ محض احکام خداوندی اور شریعت الہیہ سے لاپرواہی برتنے اور ابلیس لعین اور نفس امارہ کی تابعداری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ جس طرح سود خوری اور شراب نوشی اور زنا کاری حرام ہے، ہر خاص و عام جانتا ہے کہ اسی طرح رشوت کا لین دین بھی حرام ہے۔

اللہ ﷻ امت مسلمہ کی حفاظت فرمائیں اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

شہر ہوس کی کھڑکیاں اور ”گیٹ“ بڑھ گئے
سیٹھوں کی بھی تجوریوں کے ”ویٹ“ بڑھ گئے
دفتروں میں اہلکاروں کے بھی ”ریٹ“ بڑھ گئے
رشوت بڑھی، گرانی بڑھی ”پیٹ“ بڑھ گئے

.....☆☆☆.....

بخیل نہ بنو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمَلِّىْ لَهُمْ خَيْرًا لِّاَنْفُسِهِمْ ط اِنَّمَا نُمَلِّىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا
اِفْتٰجًا وَّلَهُمْ عَذٰبٌ مُّهِیْنٌ ۝ (آل عمران-۱۷۸)

”اور جو لوگ مال میں سے جو اللہ ﷻ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے، بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں (وہ اچھا نہیں ہے) بلکہ ان کے لئے برا ہے وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔“
بخیل کے لئے دوسرا لفظ کجوس ہے، یعنی وہ شخص جو روپیہ پیسہ ہوتے ہوئے تکلیف اٹھائے اور جائز ضروریات پر خرچ نہ کرے۔ اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرنے اور اللہ کے بندوں کی مدد کرنے سے ہاتھ روکے، مال و دولت گن گن کر رکھے مگر خرچ نہ کرے۔ ایسا آدمی نہ اللہ کے نزدیک مقبول ہوتا ہے اور نہ بندوں میں محبوب ہوتا ہے۔

بخل کر کے بہت سا مال اکٹھا کر لینا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اگر دنیا میں فرض کرو کوئی مصیبت پیش نہ آئی بھی تو قیامت کے دن یقیناً یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ چرائیں ورنہ جو شخص بخل و حرص وغیرہ ذیل خصلتوں میں یہود و منافقین کی روش اختیار کرے گا اسے بھی اپنے درجہ کے موافق اس طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اثر دھے کی صورت میں متمثل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ (نور اللہ (استفادہ تفسیر عثمانی۔ آل عمران)

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے اللہ ﷻ مال دے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر، جس کی آنکھوں پر دونشان ہوں گے، طوق کی طرح اس کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کی باجھوں کو چیرتا رہے گا اور کہتا جائے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا آیت

تلاوت فرمائی۔ (گلدستہ تفسیر جلد اول ال عمران)

مال سانپ کی طرح ہے کہ اس میں زہر بھی ہے تریاق بھی۔ جب تک زہر کو تریاق سے ہم جدا نہ کر لیں، اس کے راز ہم پر ظاہر نہ ہوں گے، اس لئے مال کے فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی۔ اور فوائد مال کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی، اس کے بیان کی ضرورت نہیں یہ سبھی جانتے ہیں۔ دوسری دینی اسکی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ آدمی مال کو اپنے اوپر عبادت یا سامان عبادت میں صرف کرے، لیکن عبادت جیسے حج اور جہاد ہے اس میں جو مال صرف کرے گا وہ عین عبادت میں صرف ہوگا۔ اسی طرح سامان عبادت ہے مثلاً وہ مال جو روٹی کپڑے اور ضروری چیزوں میں بقدر کفایت صرف ہو کہ اس سے عبادتوں کی قوت اور فراغت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جس چیز کے سبب سے آدمی عبادت کر سکتا ہے وہ چیز بھی عین عبادت ہے اور جس کے پاس بقدر کفایت مال نہ ہوگا وہ تمام دن ہاتھ پاؤں اور دل مال طلب کرنے میں مشغول رہے گا اور عبادت جس کا خلاصہ ذکر و فکر ہے اس سے محروم رہے گا۔ تو فراغت عبادت کے واسطے جب مال بقدر کفایت ہو تو وہ عین عبادت ہے اور دین کے فائدوں میں سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا سَأَلَكُمْ فِي سَفَرٍ ۚ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۚ وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمَسْكِينِ ۚ
وَكُنَّا نَحْوُضَ مَعَ الْخَائِضِينَ ۚ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۚ (المدثر۔ پ ۲۹)

”تم کو دوزخ میں کیا چیز لگتی۔ کہیں گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔ اور مسکین کو کھلاتے نہ تھے۔ اور بحث کرنے والوں کے ساتھ ہو کر بحث کیا کرتے تھے اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے۔“

اس سے ظاہر ہوا کہ بخل کی برائی دوزخ میں پہنچا کر رہتی ہے اور وہ عمل کی جزا و سزا پر یقین نہ رکھنے کا لازمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ جیسا کہ کہا گیا جو جزا و سزا کا قائل نہیں وہ اخلاص سے دوسروں کے ساتھ فیاضی بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ (مجھ سے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خرچ کرو اور

گنتی نہ کرو۔ ورنہ اللہ ﷻ بھی گن گن کر دے گا اور بھر کر (یعنی جمع کر کے) نہ رکھو ورنہ اللہ ﷻ بھی

تجھ سے بند کر لے گا۔ اور تھوڑا تھوڑا دیتی رہ جہاں تک ہو سکے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کی اولاد! خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا (یعنی تجھے دوں گا)۔ (متفق علیہ۔ بحوالہ تفسیر مظہری)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بخیل کے ساتھ اس کی زندگی میں نفرت کرتا ہے اور سخی (غیر مسلم) کے ساتھ اس کی موت کے وقت تک (البتہ مسلم سخی ہر وقت محبوب خدا ہوتا ہے)۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ابلیس کو دیکھا تو فرمایا: اے ابلیس! مجھے بتاؤ کہ تمہیں سب لوگوں میں سے زیادہ محبوب اور لوگوں میں سب سے زیادہ مغضوب کون ہے؟ ابلیس نے کہا مجھے سب سے زیادہ محبوب بخیل مومن ہے اور سب سے زیادہ مغضوب فاسق سخی ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ بخیل کا بخل ہی مجھے اس سے بے فکر رہنے میں کافی ہے۔ مگر فاسق سخی کے بارے میں مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کے باعث اس پر نظر رحمت سے اسے بخش دے گا اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا کہ اگر آپ سخی (الغیاب) نہ ہوتے تو میں آپ کو یہ بات نہ بتاتا۔

(مکافئۃ القلوب ص ۲۰۷)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ایماندار آدمی میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں کہ وہ بخیل اور بد اخلاق ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی کہ کنجوس (زکوٰۃ نہ دینے والا) جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کمینگی کو پیدا کیا اور اسے بخل اور مال کے ساتھ ڈھک دیا (یعنی بخل کا نتیجہ کمینگی ہے)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بخل کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: بخل سے مراد یہ ہے کہ انسان یہ دیکھے کہ جو خرچ کیا وہ ضائع ہوا اور جو روک لیا وہ بڑا کام ہوا۔

بخل کی جڑ دراصل مال کی محبت، طویل امید، فقر کا ڈر، اور اولاد کی محبت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”اولاد انسان کو بزدل اور بخیل بنا دیتی ہے“۔

المختصر! بخل کے برے نتیجے ہیں، بخیل آدمی کو بھٹکنے پڑیں گے۔ بخیل آدمی دنیا میں بھی طرح

طرح کی مصیبتوں اور مشکلوں میں گرفتار رہتا ہے کہ سب کچھ پاس ہونے کے باوجود بھی اس کو نہ اچھا کھانا میسر آتا ہے، نہ اچھا پہننا، نہ قرینہ کا گھر، نہ عزت، نہ آبرو۔ ہر شخص اس کو ذلیل و خوار جانتا ہے، ہر ایک اس کے نام سے نفرت کرتا ہے، فقراء اس کے لئے بدعا کرتے ہیں یہاں تک کہ بیوی بچے جن کے لئے وہ سب کچھ کرتا ہے، وہ بھی اس سے خوش نہیں رہتے۔ ہر ایک اس کی دولت کا خواہاں رہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ کسی طرح اس خزانہ کا یہ سانپ راستہ سے ہٹ جائے تو اس پر قبضہ کر لے۔ چور اس کے درپے، ڈاکو اس کو لاگو۔ زہر وہ پاتا ہے، حملہ اس پر ہوتے ہیں۔ مگر ان تمام مصیبتوں کو وہ سہتا ہے اور زندگی بھر اس میں سے کچھ خرچ نہیں ہونے دیتا۔ لیکن ادھر اس کی موت ہوئی، ادھر اس کے وارثوں نے اللہ تلے سے اس کی دولت کو اڑا دیا بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جس اولاد کے لئے وہ خود ساری عمر تکلیف اٹھا کر دولت جمع کرتا ہے وہ اس مال مفت کوم کے دم اڑا دیتی ہے اور ہزاروں بری عادتوں میں مبتلا ہو کر آخر میں مفلس اور فلاش ہو جاتی ہے۔

اسلام میں زکوٰۃ کی فرضیت اور صدقات و خیرات کی ترغیبات شریعت محمدی ﷺ میں اسی لئے ہیں کہ انسانوں کے دل اس بری خصلت کے میل سے ہمیشہ پاک و صاف رہیں۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ بخل صرف ظاہری مال و دولت ہی کے حق نہ ادا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ ﷻ نے اپنے فضل سے جس کو جو کچھ دیا ہے مثلاً کسی کو علم دیا ہے، کسی کو عقل دی ہے، کسی کو جسمانی قوت دی ہے۔ تو جو لوگ اللہ ﷻ کی ان بخششوں کا حق ادا نہیں کرتے، وہ بھی ایک قسم کے بخیل ہیں۔ وہ بھی اپنے درجہ کی سزاؤں کے مستحق ہیں۔ جس کو علم ملا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے علم کو پھیلانے اور دوسروں کو بتانے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ علم کا بخیل ہے۔ اس لئے علم کا چھپانا اور جان بوجھ کر نہ بتانا گناہ ہے۔ ”حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور رسول کے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہے جس نے علم کو سیکھا اور اس کو پھیلایا۔“ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

اس لئے لامحالہ جس نے علم رکھ کر علم کے فرض کو انجام نہیں دیا اس کا شمار بخیلوں میں ہوگا۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ بخل شریعت کے بہت بڑے حصہ کی عدم تعمیل کا سبب بنتا ہے اور

اس لئے اس کی برائی جتنی بھی کی جائے کم ہے۔ اللہ ﷻ ہم سب مسلمانوں کو اس مرض سے محفوظ

رکھے۔ (آمین)

احسان جتا کر اپنی خیرات ضائع نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى لَا (البقرہ ۲۶۴)

”اپنے صدقات و خیرات احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو۔“

اسلام نے صدقات کو ”خیرات“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے معنی بھلائی اور نیکی کے ہیں، گویا ہم اگر کسی کو کچھ دیتے ہیں تو اس پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ اپنے لئے بھلائی اور نیکی کا سامان کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے اپنے آخری کلام میں فرمایا:

تم اپنے صدقات و خیرات احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کر لو، اس شخص کی طرح جو (مض) لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ (البقرہ ۲۶۴)

جو لوگ مض دکھاوے کیلئے یا احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے کیلئے خرچ کرتے ہیں اللہ ﷻ نے ان کی مثال اس کسان سے دی ہے جو کسی چٹان پر بیج ڈال دے اور بارش برسے تو (غلہ) اگنے کی بجائے اس کا بیج بھی بہہ جائے اور وہ ہاتھ ملتا رہ جائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ ﷻ قیامت کے دن بات چیت نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ ایک تو (صدقہ) دے کر احسان جتلانے والا، اور دوسرا جنوں سے نیچے پا جامہ اور تہ بند لٹکانے والا اور تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔ (صحیح مسلم شریف)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان، خیرات و صدقہ کر کے احسان جتانے والا، شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ابن ماجہ)

نسائی میں ہے کہ تین شخصوں کی طرف اللہ ﷻ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں۔ ماں باپ کا نافرمان، شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا۔ (نسائی)

یعنی صدقہ دے کر محتاج کو ستانے اور اس پر احسان رکھنے سے صدقہ کا ثواب جاتا رہتا ہے یا اوروں کو دکھا کر اس لئے صدقہ دیتا ہے کہ لوگ سخی جائیں، اس طرح کی بھی خیرات کا ثواب کچھ نہیں

ہوتا۔ باقی یہ فرمانا کہ وہ یقین نہیں رکھتا اللہ ﷻ پر اور قیامت کے دن پر، یہ ابطال صدقہ کے لئے قیدو شرط نہیں ہیں۔ کیونکہ صدقہ تو صرف ریا سے ہی باطل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ خرچ کرنے والا مومن ہی کیوں نہ ہو مگر اس قید کو صرف اس نفع کی غرض سے بڑھایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ریا کاری مومن کی شان سے بعید ہے بلکہ یہ منافقین کے مناسب حال ہے۔

جو لوگ اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرنے پر نہ زبان سے احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں، نہ طعن و تشنیع کرتے ہیں اور نہ تحقیر کرتے ہیں۔ انہی کے لئے ثواب کامل اور نہ ڈر ہے ان کو ثواب کم ہونے کا، اور نہ غمگین ہوں گے ثواب کے نقصان سے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو، اس لئے کہ بلا (مصیبت) صدقہ کو پھانڈ نہیں سکتی۔ (مشکوٰۃ)

یعنی اگر کوئی بلا و مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو وہ صدقہ کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور مصیبتوں کی موجوں کا دعاء سے استقبال کرو۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کے ذریعہ رزق پر مدد چاہو۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کے ذریعہ رزق اتارو (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے مال میں زیادتی ہوتی ہے۔ (کنز العمال)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو بدل عطا فرما۔ دوسرا دعا کرتا ہے اے اللہ! روک کر رکھنے والوں کا مال برباد کر۔ (مشکوٰۃ)

جس طرح نماز کے لئے دو قسم کی شرائط ہیں۔ ایک شرط صحت، جیسے وضو اور طہارت اور دوسری شرط بکا جیسے نماز میں کسی سے باتیں نہ کرنا اور کھانے پینے سے پرہیز کرنا۔ پس اگر وضو ہی نہ کرے تو سرے سے نماز ہی صحیح نہ ہوگی اور اگر وضو کے بعد نماز میں کھانا اور پینا اور بولنا شروع کر دیا تو اس کی نماز باقی نہ رہے گی۔ اسی طرح صدقات و خیرات کے لئے بھی دو قسم کی شرطیں ہیں۔ ایک شرط صحت اور

دوسری شرط بقاء۔ اخلاص شرط صحت ہے۔ بغیر اخلاص کے صدقہ صحیح ہی نہیں ہوتا۔ لہذا جو صدقہ ریا اور نفاق کے ساتھ دیا جائے وہ شریعت میں معتبر نہیں اور من اور اذی سے پرہیز شرط بقاء ہے۔ یعنی صدقہ و خیرات اس وقت تک محفوظ اور باقی رہیں گے جب تک صدقہ دینے کے بعد نہ تو احسان جتایا جائے اور نہ مسائل کو کسی قسم کی ایذا پہنچائی جائے۔ اگر صدقہ دینے کے بعد احسان جتایا، ستایا تو وہ صدقہ و خیرات ضائع اور باطل ہو جاتا ہے۔ اسلئے کہ یہ دونوں چیزیں صدقہ و خیرات کے مفادات میں سے ہیں۔ جیسے کھانے اور پینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح ”من اور اذی“ (یعنی احسان اور تکلیف) سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔ (معارف کا دھلوی تفسیر سورہ بقرہ)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے ریا (دکھاوے) کی نیت سے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا۔ جس نے ریا کی نیت سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا۔ جس نے ریا کی نیت سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں اللہ ﷻ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے وہ اس شریک سے اپنا ثواب مانگ لے۔ اللہ ﷻ، شرکت سے بے نیاز ہے۔ (مکھلوۃ)

یہ بہت ہی اہم چیز ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو عبادت بھی ہو خالص اللہ ﷻ کی رضا کے واسطے ہو۔ اس میں کوئی فاسد غرض، ریا، شہرت، وجاہت وغیرہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ اس میں نیکی برباد گناہ لازم ہو جاتا ہے۔ احادیث میں بہت کثرت سے اس پر وعیدیں اور تنبیہیں وارد ہوئی ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے اپنی امت کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے، وہ خالص اللہ ﷻ کے لئے کیا جائے اور جتنا بھی اہتمام ہو سکے اس کا کیا جائے۔ کہ اس میں ریا و نمود، شہرت اور دکھاوے کا شائبہ نہ آنے پائے۔ مگر اس جگہ شیطان کے ایک بڑے مکر سے بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ دشمن جب قوی ہوتا ہے تو وہ مختلف انواع سے اپنی دشمنی نکالا کرتا ہے۔ یہ بہت مرتبہ آدمی کو اس وسوسہ کی بدولت کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں، اہم ترین عبادتوں سے روک دیا کرتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

شیطان اول تو نیک کام سے روکا کرتا ہے اور ایسے خیالات دل میں ڈالا کرتا ہے جس سے اس کام کے کرنے کا ارادہ ہی پیدا نہ ہو۔ لیکن جب آدمی اپنی ہمت سے اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے روکنے پر عمل نہیں کرتا تو وہ کہا کرتا ہے کہ تجھ میں اخلاص تو ہے ہی نہیں، یہ تیری عبادت، محنت و مشقت بے کار ہے۔ جب اخلاص ہی نہیں تو پھر ایسی عبادت کرنے سے کیا فائدہ؟ اور اس قسم کے وسوسے پیدا کر کے نیک کام سے روک دیا کرتا ہے۔ اور جب آدمی رک جاتا ہے تو اس کی غرض پوری ہو جاتی ہے۔ (احیاء العلوم)

اس لئے اس خیال سے نیک کام کرنے سے رکنا نہیں چاہئے کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں، بلکہ نیک کام کرنے سے اخلاص کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور اس کی دعا کرتا رہے کہ اللہ ﷻ مجھ سے اپنے لطف سے دستگیری فرمائے تاکہ نہ تو دین کا مشغلہ ضائع ہو اور نہ برباد ہو۔

(فضائل صدقات حصہ اول ۱۶۵)

.....☆☆☆.....

شہید لائبریری

موہڑہ کورچشم (چکوال)
پاکستان

Mohra Kor Chasham (Chakwal) Pakistan

زبان کو غلط استعمال نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
وَأَنَّ عَلَيْكُمْ لَخَفِيفِينَ ۝ (سورہ انفطار، آیت ۱۰)

”تم پر (اللہ ﷻ کی طرف سے) نگران مقرر ہیں وہ معزز (فرشتے) جو تمہارا اعمال نامہ لکھتے ہیں۔“

عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ (سورہ ق ۱۸۔)

”یہ (نگران) اس (انسان) کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں وہ جو بات کرتا ہے یہ سخت نگرانی سے نوٹ کرتے رہتے ہیں۔“

(اے انسان!) کیا تجھے اس کا خیال نہیں کہ تیرا آدھا دن (دوپہر تک) کا اعمال نامہ ایسی فضول باتوں سے پر ہے جن کا تعلق نہ تیرے دین سے ہے نہ دنیا سے، اگر وہ ظاہر کر دیا جائے تو تیرا کیا حال ہوگا۔ (تنبیہ الغافلین ص ۲۳۶)

ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے زبان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

جِرْمُهُ صَغِيرٌ وَجِرْمُهُ كَبِيرٌ“۔ (چکوال)

اس کا جسم تو چھوٹا سا ہے مگر یہ جرم بڑے بڑے کرتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسانی جسم میں جتنے زیادہ گناہ زبان کی اس قدرتی مشین سے سرزد ہوتے ہیں، شاید ہی کسی اور عضو سے اتنے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہو۔ حضرت صدیق اکبر ﷺ ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ اپنی زبان کو پکڑ کر موڑ رہے ہیں۔ پوچھا گیا تو فرمایا کہ ”اس چیز نے مجھے بہت سی ہلاکتوں میں مبتلا کیا ہے۔“

زبان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے تو وہ ہیں جن کا گناہ ہونا سب جانتے ہیں مثلاً جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ اور گانا بجانا وغیرہ۔ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ یہ چیزیں ناجائز ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کا ارتکاب کرتا بھی ہے تو گناہ سمجھ کر کرتا ہے، دل میں شرمندہ ہوتا ہے اور یہ امید رہتی ہے کہ کسی وقت اس گناہ سے نجات حاصل کر لے گا۔ لیکن زبان کے بعض سنگین جرائم ایسے ہیں،

جن کے گناہ ہونے کا احساس بھی لوگوں کو نہیں ہوتا۔ اور جب بیمار کو اپنی بیماری کا شعور ہی نہ ہو تو اس کی صحت کی کیا خاک امید ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ جرائم زیادہ خطرناک اور موجب ہلاکت ہیں۔

زبان ایک قدرتی مشین ہے جو اللہ ﷻ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو مرحمت فرمائی ہے تاکہ وہ اس کو ایسے کاموں میں صرف کرے جو اس کے دین یا دنیا کے لئے مفید ہوں۔ لہذا اگر اس کو کسی ایسے کام میں استعمال کیا جائے جو نہ دین کے لئے مفید ہو نہ دنیا کے لئے، تو یہ اس قدرتی مشین کا بے جا استعمال ہے اور اسلام میں اس سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ فضول اور بے فائدہ باتوں میں زبان کا استعمال کرنا ہر اعتبار سے مضر ہی مضر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں منقول ہے۔

كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَرَ الْكَلَامَ طَوِيلَ الصُّمْتِ۔

”آپ کم گو، اور زیادہ تر خاموش رہنے والے تھے۔“

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی انگوٹھی پر یہ قول نقش کرایا ہوا تھا کہ:

قُلِّ الْخَيْرَ وَالْأَفْصَمُ۔

”نیک بات کہو، ورنہ خاموش رہو۔“ (مجالس مفتی اعظم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص اللہ ﷻ پر ایمان رکھتا ہے (یعنی مسلمان ہے) اسے چاہئے کہ اپنے ہمسایہ کا احترام کرے اور مہمان کی عزت کرے، بات کرے تو سچی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اچھی بات کرو، تاکہ تمہیں فائدہ ہو ورنہ خاموش رہو کہ اس طرح تم مشکلات سے بچے رہو گے اور خاموشی کے ذریعہ ہی شیطان کو بھی زیر کیا جاسکتا ہے۔

(تنبیہ الغافلین ص ۲۳۵)

لا یعنی باتوں کی ایک قسم جس میں اہل علم بطور خاص مبتلا ہوتے ہیں، فضول بحث و مباحثہ ہے جس کے پیچھے کوئی فائدہ نہیں۔ ایک بحث و مباحثہ تو وہ ہے جس کا مقصد تحقیق حق ہوتا ہے اور جو طالب

علم اور اہل علم کی خصوصیت ہے وہ تو بلاشبہ جائز بلکہ مستحسن ہے۔

اس کے علاوہ عوام میں بھی یہ مرض آج کل شدید ہو رہا ہے کہ دین کی ضروری باتوں سے مطلق بے خبر ہیں مگر فضول کی بحثوں میں الجھے رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ”انسان کے اسلام کی اچھائی یہ ہے کہ وہ بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے“۔

پھر جو بحثیں جائز اور مفید ہیں ان میں بھی ایک بڑی آفت ”مراء جدال“ ہے۔ آج کل یہ دباء اس قدر عام ہو گئی ہے کہ بحث خواہ کتنی علمی اور مفید ہو لیکن اس میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع، طنز و تعریض، اور چوٹیں کسنے کے بغیر تنقید کو تنقید ہی نہیں سمجھا جاتا اور اس مقصد کے لئے طرح طرح کی ”مہذب“ گالیاں ایجاد کی جاتی ہیں۔ اور اس کو بڑا ہنر سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے ”علم میں جھگڑا کرنا ایمان کے نور کو زائل کر دیتا ہے“۔ کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو خلاف سنت کام کرتے دیکھے تو کیا کرے۔ فرمایا، نرمی سے سمجھا دے اور جدال نہ کرے۔

واقعہ یہ ہے اس فقرے بازی سے کہ مسلمان کی دل آزاری کا انفرادی گناہ تو ہوتا ہی ہے اس کے علاوہ اس کا ایک خطرناک اجتماعی مفسدہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کے باہمی افتراق و انتشار کو ہوا ملتی ہے اور فرقہ بندی اور جماعتی تعصب کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اگر علمی بحثیں خالص علمی انداز میں کی جائے لگیں تو مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ افتراق میں بڑی نمایاں کمی واقع ہوگی۔
(مجالس مفتی اعظم ص ۳۸۱)

اگلے وقتوں میں تمام متقی پرہیزگاروں کا یہی طریقہ تھا کہ لہو اور بے ہودہ باتوں سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کرتے تھے۔ جو بات کرتے سوچ سمجھ کر ایسی بات کرتے تھے جو فائدہ مند ہوتی تھیں۔

لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ جو بات کرے وہ خود اس کے اپنے لئے اور دوسرے کے لئے فائدہ مند ہو۔ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے۔ آخرت میں حساب میں چھننے سے یہ کہیں بہتر اور آسان ہے۔ انسان زندگی میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے، آخرت میں ندامت و شرمندگی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی زبان کو قابو میں رکھے اور کوئی فضول و بے فائدہ بات نہ کرے۔

ایک شخص جنہوں نے حضرت ربیع بن خثیم کے ساتھ بیس سال گزارے تھے کہتے ہیں میں نے ان بیس برس کے عرصہ میں ربیع بن خثیم کی زبان سے کوئی فضول بات نہ سنی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

☆..... ہر وہ بات جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو فضول ہے۔

☆..... وہ خاموشی جو غور و فکر سے خالی ہے غفلت ہے۔

☆..... وہ نگاہ جو چیزوں کو دیکھ کر عبرت حاصل نہ کرے بے کار ہے۔

☆..... وہ شخص خوش نصیب ہے جس کی باتوں میں اللہ کا ذکر شامل ہو جس کی نظر میں، عبرت حاصل کرنے کی صلاحیت ہو، اور جس کی خاموشی غور و فکر سے خالی نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے اپنی زبان پر قابو رکھا۔

(۲) خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا گھر وسیع ہے۔

(۳) خوش نصیب ہے وہ شخص جو اپنی خطاؤں پر (اللہ کے سامنے) رو لیتا ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا لکھا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں کچھ مثالیں تھیں اور کچھ عبرت آموز باتیں۔

بس ایک تعظمنہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے، اپنے وقت کو پہچانے اور اپنی حیثیت کو نگاہ میں رکھے۔

بہترین گفتگو وہ ہے جس میں الفاظ کم اور معنی و مطلب زیادہ ہوں۔ جس نے اپنے قول و فعل میں مطابقت پیدا کر لی وہ فضول باتوں سے بچ گیا۔ (تنبیہ الغافلین)

زبان کے گناہوں سے بچنے کی تدابیر :-

☆ بغیر سوچے کوئی بات منہ سے نہ نکالے۔ بات کرنے سے پہلے وہ تین سیکنڈ سوچ لے کہ جو بات میں کر رہا ہوں یہ گناہ کی بات تو نہیں۔ اگر نفس کی شرارت سے کوئی بات ہو جائے تو نفس پر کچھ

مالی یا بدنی جرمانہ مقرر کرے کہ میں اتنے نفل پڑھوں گا یا اس قدر مال اللہ کی راہ میں ادا کروں گا۔ جرمانہ اتنا زیادہ نہ ہو کہ پورا نہ کر سکے اور نہ اتنا کم ہو کہ نفس کو ناگوار ہی نہ ہو۔

☆..... یہ سوچے کہ جتنا وقت گناہوں کی باتوں میں صرف کیا ہے اگر اس وقت میں ایک دفعہ سبحان اللہ! کہہ لیتا تو میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا اور نجات آخرت کا ذریعہ ہوتا۔

☆..... جن باتوں کا نہ دنیا میں فائدہ ہو نہ دین میں، ایسی بات منہ سے نہ نکالے۔ لوگوں کے سامنے چبا چبا کر باتیں نہ کرے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں کو پیش نظر رکھے۔

۱..... حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی۔

۲..... آنحضرت ﷺ نے فرمایا: انسان کا اسلام درست و صحیح ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے۔

۳..... حدیث میں ہے کہ دو خصالتیں بجالانے میں بہت ہلکی اور اعمال کے ترازو میں بہت بھاری ہیں۔ ایک بہت خاموش رہنا، دوسرے خوش خلقی۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے اختیار میں میری جان ہے کہ خلاق کا کوئی عمل ان دونوں باتوں کی مانند نہیں۔

☆☆☆.....

سقیہ البیبری
 موہڑہ کورچشم (چکوال)
 پاکستان
 Mohra Kor Chasham (Chakwal) Pakistan

جھوٹی قسم نہ کھاؤ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِیْ أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ط
وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝۔ (البقرہ پ ۲، آیت ۲۲۵)

”بلا قصد قسمیں کھانے پر خداتم کو نہیں پکڑے گا، ہاں دل سے جو تم نے قسمیں کھائیں ان پر مواخذہ (پکڑ) کرے گا اور خدا بڑا بخشنے والا حلیم والا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
(گناہ) کبیرہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا۔ (بخاری)

مذکورہ حدیث مبارکہ میں تین گناہوں کے بیان پر مشتمل ہے، جن میں سے ایک یہ کہ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا مہلک ترین گناہ کبیرہ ہے۔ اس کو ”عموس“ کہتے ہیں۔ عموس اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ قسم اپنے کھانے والے کو جہنم میں غوطے کھلاتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو ایسا شخص اس خدائے بزرگ و برتر کے سامنے مجرمانہ جسارت کرتا ہے، جس کے حضور میں اکڑی ہوئی گردنیں خم ہو جاتی ہیں۔ پوری کائنات جس کے در پر سجدہ ریز ہوتی ہے، جہاں سرکش اپنی سرکشی فراموش کر جاتے ہیں۔ لیکن اس جھوٹے کا براہو، جو جھوٹی قسم کھا کر نوع انسانی کے ایک فرد یا اپنے مسلمان بھائی کی رقم ایٹھ لیتا ہے۔ اس کا یہی مقصد کیا کم ہے کہ اس نے اللہ ﷻ کی عظمت و کبریائی کی کوئی پرواہ نہیں کی، دوسرے کا مال ناحق چھین کر یا دھوکہ دے کر خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ تیسرا جس کا مال چھینا یا دھوکہ دیا اس پر ظلم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کو یمن عموس فرمایا۔ (معاشرہ کی مہلک بیماریاں ص ۳۷۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
”کسی مسلمان کا مال ناحق (ہڑپ کرنے) کے لئے جس کسی نے جھوٹی قسم کھائی اللہ ﷻ سے اس کا سامنا اس حال میں ہوگا کہ باری تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر اس کے مصداق میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

”جو لوگ اللہ ﷻ کے قول و قرار اور قسموں کو بیچ کر حقیر سی قیمت خریدتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ﷻ ان سے بات کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔“ (آل عمران - ۷۷)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی حقیر سی رقم اور معمولی قیمت پر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اللہ ﷻ کے قول و قرار اور قسموں کو بیچ کر وہی حقیر سی قیمت وصول کرتے ہیں۔ آخرت کی نعمتوں اور وہاں کے اجر میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ نہ اللہ ﷻ ان سے خوشنودی کے ساتھ ہم کلام ہوگا، نہ قیامت کے دن ان پر شفقت کی نظر ڈالے گا، نہ ان کے دلوں کو پاک و صاف رکھے گا، نہ ان کے اوپر خیر و برکت نازل فرمائے گا اور نہ ہی ان کی تعریف اور ستائش کرے گا۔ بلکہ انہیں سخت ترین عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

حضرت حارث بن برصاء ؓ سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقع پر دونوں حجرہ کے درمیان ارشاد فرمایا:
”جس نے جھوٹی قسم کھا کر کسی (مومن) بھائی کا مال ہڑپ کیا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ تم میں جو موجود ہیں وہ ان لوگوں کو بتادیں جو موجود نہیں۔ یہ آپ نے دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ اس روایت کو امام احمد اور حاکم رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابوامامہ ایاس بن ثعلبہ حارثی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
”جس نے اپنی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق مار لیا اللہ ﷻ اس کے اوپر دوزخ واجب اور جنت اس پر حرام کر دے گا، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر چہ وہ کوئی معمولی چیز ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا (ہاں) اگر چہ وہ پیلو کی کوئی شاخ کیوں نہ ہو۔“ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

وَلَا تَطْعُ كُلَّ حَلَاْفٍ مِّمَّيْنِ ۝
”قسمیں کھانے والے ذلیل کی بات مت مانو۔“

کیونکہ زیادہ قسمیں وہی کھاتا ہے جس کی نظروں میں دین اور ایمان کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ جسے اللہ رب العزت کی عظمت اور کبریائی کا کوئی احساس ہی نہیں ہوتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ قسمیں کھا کر مخاطب کو قائل کرنے کی فکر میں ہوتا ہے، حالانکہ قسم تب ہی مشروع ہے جب کسی بات کے ثبوت کی ضرورت ہو، اور بات سچ بھی ہو، جھوٹ نہ ہو۔ پھر تصدیق کے لئے بھی ایک بار قسم کھانا کافی ہے، یہ نہیں کہ بار بار قسمیں کھائی جائیں، ورنہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر دروغ گو اور جھوٹا آدمی ہی بکثرت قسمیں کھاتا ہے کیونکہ وہ خود کو تو جھوٹا سمجھتا ہی ہے۔ اس لئے چاہتا ہے کہ جتنی بھی جھوٹی قسمیں کھائے گا، لوگ اسے سچا سمجھیں گے۔ لیکن جھوٹی قسموں کا انجام نہیں دیکھتا کہ اس کا عذاب کتنا دردناک ہے۔ پھر یمین کی تین قسمیں ہیں:

1. **یمین لغو:** اس قسم پر گناہ یا کفارہ کچھ نہیں، گفتگو کے دوران کی قصد و ارادہ کے بغیر بے ساختہ قسم کھانا یمین لغو کہلاتا ہے۔ جیسے خدا کی قسم! میں نے ایسا کہا، اللہ کی قسم تم اسے پی لو، بہ خدا ایسا نہیں ہوا وغیرہ۔ یہ قسم غیر اختیاری ہوتی ہے، اس پر کوئی گرفت نہ ہونے کی دلیل ”آیت بالا“ ہے
2. **یمین غموس:** مثلاً ایک شخص نے کوئی کام کر لیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اور موجب وبال دنیا و آخرت ہے۔ مگر اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا، توبہ استغفار لازم ہے۔
3. **یمین معلقہ:** وہ قسم ہے جس کا تعلق مستقبل میں کسی کام سے ہو جیسے اللہ کی قسم میں زید سے بات چیت نہیں کروں گا، یا اللہ کی قسم فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا، یا اپنی بیوی سے کہہ تم فلاں کے گھر مت جانا وغیرہ ایسی قسمیں جن کا تعلق آئندہ آنے والے زمانے سے ہو۔

مذکورہ قسمیں کھانے والے کو چاہئے کہ وہ غور کرے، اگر قسم برقرار رہنے کے بجائے اسے توڑ دینا بہتر محسوس ہو تو قسم توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔ مثلاً اگر یہ قسم کھائی تھی کہ اپنے فلاں بھائی یا اپنے باپ سے بات نہیں کرے گا یا فلاں دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان مصالحت نہیں کرائے گا وغیرہ تو اس کو چاہئے کہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے اور اس حالت کو برقرار نہ رکھے۔ کیونکہ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے:

” جس نے کوئی قسم کھائی پھر اس سے بہتر کوئی چیز دیکھی تو اسے چاہیے کہ اس بہتر کام کو کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے، قسم کا کفارہ باری تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق یہ ہے:

فَكَفَّارَتَهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ط ذَلِكَ كَفَّارَةٌ أَيَّمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوا أَيَّمَانَكُمْ ط (المائدہ-۸۹)

”تو اس کے کفارے میں دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا جو عموماً تم اپنے عیال کو کھلاتے ہو کھلا دو، یا ان کو لباس پہناؤ، یا غلام آزاد کرو اور جس کو یہ کچھ میسر نہ ہو تو تین روزے رکھو۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر خلاف کرو اور اپنی قسموں کی خوب حفاظت کرو۔“

یعنی قسم توڑنے کے بعد یہ کفارہ دیا جائے گا، کھانا دینے میں اختیار ہے خواہ دس مسکین کو گھر بٹھلا کر کھانا کھلا دے یا صدقہ فطر کے برابر ہر مسکین کو غلہ یا اس کی قیمت ادا کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

ان مذکورہ آیات اور احادیث پر ذرا غور کریں۔ شاید کہ ہماری آنکھیں کھل جائیں، جن سے پہاڑوں کا دل دہل جائے، اور لوہے کا جگر پانی پانی ہو جائے۔ پھر بھلا ان لوگوں کا دل کیوں نہ پگھلے گا۔ جو صاحب ایمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جنہیں اللہ ﷻ کے وعدوں اور اس کی وعیدوں پر کامل یقین ہے۔ کاش ہم سب مسلمان اپنی حرکتوں سے باز آجائیں اور معمولی ٹکڑوں کی خاطر اور معمولی باتوں پر جھوٹی قسمیں نہ کھائیں۔ اللہ رب العالمین ہم سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں (آمین)۔

اس کو کیا خوف رہے ظلمات ہے
جس کی رہبر خود خدا کی ذات ہے

.....☆☆☆.....

باہم لڑائی جھگڑے سے بچو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
وَلَا تَنٰزَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذٰهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال-۴۶)

”آپس میں جھگڑے نہ کرو (اگر تم نے ایسا کیا تو) تمہاری ہمت ٹوٹ جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“

اور چوتھے پارہ کے شروع میں یہ ارشاد خداوندی موجود ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا ۝

”اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں اختلاف نہ کھڑے کرو اور اپنے

اوپر اللہ کا یہ انعام یاد کرو کہ تم دشمن تھے، سو اللہ ﷻ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اللہ ﷻ نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا لو۔“

(آل عمران ۱۰۳)

یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو اللہ ﷻ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ رسی ٹوٹ نہیں سکتی، ہاں چھوٹ سکتی ہے۔ اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے، کوئی شیطان شراکیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی۔ قرآن سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے۔ لیکن تمسک بالقرآن کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنے آراء و ہوا کا تختہ مشق بنا لیا جائے، بلکہ قرآن کریم کا مطلب وہی معتبر ہوگا جو احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تفسیرات کے خلاف نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت زید بن ارقم ؓ کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمارے مجمع میں

کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا، لوگو! میں محض ایک آدمی ہوں، عنقریب میرے

رب کا قاصد میرے پاس آئے گا اور میں اس کی دعوت قبول کروں گا۔ میں تمہارے اندر دو بڑی عظمت والی چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ پہلی کتاب اللہ ہے جس کے اندر ہدایت و نور ہے، تم اللہ ﷻ کی کتاب کو پکڑ لو اور مضبوطی کے ساتھ تھا رہو۔ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں میں اپنے اہل بیت کے متعلق تم کو اللہ ﷻ کے احکام اور خوف کی یاد دلاتا ہوں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی کتاب ہی اللہ ﷻ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جو اس کے حکم پر چلے گا ہدایت پر ہوگا، جو اس کو چھوڑ دے گا گمراہ ہوگا۔ (رواہ مسلم)

اگر مسلمانوں کی مختلف پارٹیاں قرآن کریم کے نظام پر متفق ہو جائیں تو ہزاروں گروہی، نسلی اور وطنی اختلافات ایک لحظہ میں ختم ہو سکتے ہیں۔ جو انسانیت کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ اب اگر مسلمانوں میں باہمی اختلاف رہے گا تو وہ صرف فہم قرآن اور تعبیر قرآن میں رہ سکتا ہے۔ سب مسلمان باہم متفق و متحد اور منظم ہو جائیں جیسے کوئی جماعت ایک ری کو پکڑے ہوئے ہو تو پوری جماعت جسم واحد بن جاتی ہے۔

مجاورہ عربی میں جبل سے مراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ یا وسیلہ کا کام دے سکے۔ قرآن کو یادین کوری سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ ﷻ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔

اقوام عالم کی راہیں مختلف ہیں، کہیں نسل اور نسبی رشتوں کو مرکز وحدت سمجھا گیا جیسے قبائل عرب کی وحدت تھی کہ قریش ایک قوم اور بنو تمیم دوسری قوم سمجھی جاتی تھی۔ اور کہیں رنگ کا امتیاز اس وحدت کا مرکز بن رہا تھا کہ کالے لوگ ایک قوم اور گورے دوسری قوم سمجھے جاتے، کہیں وطنی اور لسانی وحدت کو مرکز اتحاد بنایا ہوا تھا کہ ہندی ایک قوم اور عربی دوسری قوم۔ کہیں آبائی رسوم و رواج کو مرکز وحدت بنایا گیا تھا کہ جوان رسوم کے پابند ہیں وہ ایک قوم اور جوان کے پابند نہیں وہ دوسری قوم۔ جیسے ہندوستان کے ہندو اور آریہ سماج وغیرہ۔

قرآن کریم نے ان سب کو چھوڑ کر مرکز وحدت جبل اللہ قرآن کریم کو یعنی اللہ ﷻ کے بھیجے

ہوئے نظام کو محکم قرار دیا اور دو ٹوک فیصلہ کر دیا کہ مومن ایک قوم ہے جو جبل اللہ سے وابستہ ہے اور کافر دوسری قوم جو اس جبل متین سے وابستہ نہیں۔

قرآن پر مجتمع رہتے ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی تشریح و تفصیل کو قبول کرتے ہوئے اپنی فطری استعداد اور دماغی صلاحیتوں کی بنا پر فروع میں اختلاف کیا جائے تو یہ اختلاف فطری ہے اور اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ صحابہ و تابعین اور ائمہ فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا اختلاف تھا اور اس اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا۔ (معارف القرآن از گلہ ستہ نقاسیر جلد اول، آل عمران)

چونکہ انسان مل جل کر رہتے ہیں اس لئے کبھی لڑنے جھگڑنے کے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر حق کے لئے اور اظہار حق کے لئے جھگڑا کیا جائے، جس میں گالی گلوچ نہ ہو، حدود شرعیہ سے آگے نہ بڑھا جائے تو اس کی گنجائش ہے لیکن عموماً جھگڑے دنیا داری کے لئے اور آپس میں کسی ایک کا حق دبانے کے لئے ہوتے ہیں اور ہر فریق غصہ سے بھرا ہوا ہوتا ہے اسلئے ایک دوسرے پر زیادتی بھی ہو جاتی ہے اور گالی گلوچ تک نوبت آ جاتی ہے۔ صاحب حق بھی حق پر قائم نہیں رہتا۔

(تحفۃ المسلمین جلد دوم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ ہے جو زیادہ جھگڑا ہو۔ (صحیح بخاری ص ۶۳۹ جلد ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں جس کے اندر ہوں گی وہ خالص مناقق ہوگا۔ اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی (اس کے بارے میں یوں کہا جائے گا کہ) اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے۔ جب تک اس کو چھوڑ نہ دے۔

(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور

(۲) بات کرے تو جھوٹ بولے اور

(۳) جب عہد کرے تو دھوکہ دے اور

(۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱ از بخاری و مسلم)

لڑنا جھگڑنا اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے، اپنا حق ہوتے ہوئے بھی اگر لڑائی جھگڑا نہ کرے تو

اس پر بڑا ثواب ہے۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹ کو چھوڑ دیا حالانکہ جھوٹ باطل چیز ہے۔ (یعنی چھوڑ دینے ہی کی چیز ہے) تو اس کے لئے جنت کے کناروں میں گھر بنایا جائے گا۔ اور جس نے صاحب حق ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دیا اس کے لئے جنت کے درمیان میں گھر بنایا جائے گا اور جس نے اپنے اخلاق اچھے کئے اس کے لئے جنت کے اوپر کے حصہ میں گھر بنایا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۲ عن الترمذی)

ایک صحابی تھے کعب بن مالک ؓ ان کا ایک دوسرے صحابی پر قرض تھا جن کو ابن ابی حدرد کہا جاتا تھا۔ حضرت کعب بن مالک ؓ نے مسجد میں ان سے اپنے قرض کا تقاضا کیا، جھگڑا ہونے لگا، آوازیں بلند ہو گئیں۔ حضرت رسول اکرم ﷺ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کو بھی آوازیں پہنچ گئیں۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور اپنے حجرہ کا پردہ کھول کر کعب بن مالک کو آواز دی۔ انہوں نے جواب دیا لیک یا رسول اللہ! (یعنی میں حاضر ہوں)۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ آدھا قرض ختم کر دو۔ کعب نے فرمایا میں نے اس پر عمل کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا بس تو جاؤ باقی وصول کر لو۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۲۵۲)

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں شاید کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ نکلے جو لڑائی جھگڑے کو بذاتہ مفید اور بہتر جانتا ہو۔ اس لئے دنیا کی ہر جماعت، ہر پارٹی لوگوں کو متفق کرنے کی ہی دعوت دیتی ہے۔ لیکن دنیا کے حالات کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اتفاق و اتحاد کے مفید اور ضروری ہونے پر سب کے اتفاق کے باوجود ہو یہ رہا ہے کہ انسانیت فرقوں، گروہوں، پارٹیوں میں بٹی ہوئی ہے۔ آپس میں کسی اختلاف کا پیدا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، بشرطیکہ اسے جلد دور کر لیا جائے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ”پھر اگر کسی امر میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو جائے اور آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو کہ یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا بھی ہے۔“ (النساء۔ ۵۹)

جھوٹ نہ بولو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
 إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَذِبٌ كَفَّارٌ ۝ (الزمر آیت ۳، پارہ ۲۳)
 ”بے شک اللہ اس کو راہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا ہے، احسان نہیں مانتا۔“

یہی ارشاد دوسری سورہ میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ (المومن ۴۰-۲۸)
 ”بے شک اللہ ﷻ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ، جھوٹا ہے۔“

گویا جھوٹے کبھی ہدایت نہیں پاتے۔ وہ ہمیشہ محروم ہدایت رہتے ہیں اور انہیں سیدھی راہ میسر نہیں آتی۔

قرآن مجید میں کاذب (جھوٹے) کی مذمت کم و بیش ۳۶ جگہ مذکور ہے اور کذب (جھوٹ) کی برائی اور خرابیوں کا ذکر ۱۴۹ مقامات پر مختلف آیات میں ہوا ہے۔ غالباً کسی اور برائی کی مذمت اس قدر نہیں ہوئی، واقعی جھوٹ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اس ایک جرم سے سینکڑوں جرم جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے انسان کو دس اور جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو کسی حال میں جھوٹ نہیں بولتے، جھوٹوں کا ساتھ نہیں دیتے، اور جھوٹے کام نہیں کرتے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جھوٹ گناہ (فجور) کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں، اور جھوٹ بولنے بولتے آدمی اللہ ﷻ کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الادب)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ جنت میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا، جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے اور جو نیکی کا کام کرتا ہے، وہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے۔ اور جو ایمان سے بھرپور ہوتا ہے وہ جنت میں داخل ہوا۔ اس نے پھر پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ فرمایا: ”جھوٹ بولنا، جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کا کام کرے گا۔ اور جب گناہ کا کام کرے گا تو کفر کرے گا اور جو کفر کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ (مسند احمد جلد اول ص

(۱۷۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹ کی برائی کی وسعت اتنی ہے کہ کفر بھی اس میں آجاتا

ہے۔ جس سے زیادہ بری چیز کوئی دوسری نہیں۔ اور جس کے لئے نجات کا ہر دروازہ بند ہے۔ اللہ ﷻ کی رحمت کا دروازہ وسیع ہے، وہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی رحمت کی چھاؤں میں ساری کائنات آرام کر رہی ہے، مگر رحمت الہی کے اس گھنے سایہ سے وہ باہر ہے جس کا منہ جھوٹ کی بادِ سموم سے جھلس رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جھوٹ کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ منافق کی پہچان تین باتوں سے ہوتی ہے۔

(۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۲) جب وعدہ کرے پورا نہ کرے۔

(۳) اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح البخاری کتاب الادب)

لفظوں میں تو یہ باتیں تین ہیں، لیکن حقیقت میں یہ ایک ہی شکل کی تین مختلف تصویریں ہیں۔ جھوٹی باتیں کرنا تو جھوٹ ہے ہی، مگر وعدہ کر کے پورا نہ کرنا بھی جھوٹ ہی ہے۔ اور اسی طرح امین بن کر خیانت کرنا بھی عملی جھوٹ ہے۔ کیونکہ جو امین بنتا ہے وہ ایک طرح سے یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ اس میں خیانت نہیں کرے گا، اور جب اس نے اس کے خلاف کیا تو وہ عملاً جھوٹ بولا۔ جھوٹ اکیلی برائی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے جھوٹے میں بیسیوں قسم کی دوسری برائیاں بھی لازمی طور سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے اللہ ﷻ نے کاذب (جھوٹ) کے ساتھ ساتھ دوسری بری صفتیں بھی ظاہر کی ہیں۔ جیسے:

☆ افاک انیم۔ (اشعراء ۲۲۲) جھوٹ بولنے والا گنہ گار۔

☆ کذب کفار۔ (الزمر ۳) جھوٹ بولنے والا، احسان کا حق نہ ماننے والا۔

☆ مسرف کذاب۔ (المومن ۴) بے باک جھوٹا۔

ان آیات نے بتایا کہ جھوٹا گناہوں میں لت پت ہوتا ہے، کیونکہ جھوٹ کی عادت کے سبب سے وہ کسی برائی کے کرنے سے جھکتا نہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ موقع پر جھوٹ بول کر میں اس کو چھپالوں گا۔ اس لئے وہ ہر برائی کے کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جو جھوٹا ہو گا وہ اپنے کسی محسن کا احسان بھی نہیں مانے گا، کیونکہ جو خود جھوٹا ہے وہ دوسرے کو بھی اس کے عمل اور نیت میں جھوٹا ہی سمجھے گا۔ اور اگر وہ زبان سے کہے بھی کہ میں مانتا ہوں تو کسی کو اس بات پر یقین کیوں آئے گا۔ اسی طرح جو جھوٹ

بولتا ہے، اس کو کسی برے سے برے کام کے کرنے میں باک نہیں ہوتا۔ وہ ہر گناہ پر دلیر اور حد سے بڑھ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو (انسان کی حفاظت کرنے والے) فرشتے ایک میل دور چلے جاتے ہیں، اس بات کی بدبو کی وجہ سے جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔“ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص ۴۱۳)

جس طرح مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح اچھے اور برے کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں، جس طرح ہم مادی چیزوں کی خوشبو اور بدبو کا احساس کرتے ہیں اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کے وہ بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آ جاتی ہے۔ (اصلاح معاشرہ ص ۵۵)

حضرت صفوان ابن سلیم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا۔

- ۱۔ کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں ہو سکتا ہے۔
 - ۲۔ کیا مومن بخیل (کنجوس) ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں ہو سکتا ہے۔
 - ۳۔ کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا ”نہیں“، یعنی مومن (مسلمان) جھوٹ نہیں بول سکتا۔
- (تنبیہ الغافلین ص ۱۷۴)

جھوٹ کے بہت سے مرتبے ہیں۔ اچھے اچھے لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ بے ضرر جھوٹ کو برا نہیں جانتے، جیسے اکثر لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ بچوں کو بہلانے کے لئے ان سے جھوٹے وعدے کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ان وعدوں کو تھوڑی دیر میں بھول جائیں گے اور گو ہوتا بھی اکثر یہی ہے مگر جھوٹ بہر حال جھوٹ ہے۔ اسلام نے اس جھوٹ کی بھی اجازت نہیں دی ہے، ایک کسن صحابی عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور انور ﷺ میرے گھر تشریف رکھتے تھے تو ماں نے میرے بلانے کے لئے کہا کہ یہاں آ۔ تجھے کچھ (کھانے کو) دوں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، تم کہتی ہو مگر تم اس کو کچھ دینا نہیں چاہتی ہو۔ ماں

نے کہا اس کو کھجور دے دوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں اگر تم اس کو اس وقت کچھ نہ دیتیں تو یہ جھوٹ بھی تمہارا لکھا جاتا۔

(ابوداؤد کتاب الادب)

اس تعلیم کا منشا یہ تو ہے ہی کہ مسلمان کو کسی حال میں بھی اپنے لب کو جھوٹ سے آلودہ نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اس موقع پر سچ بولنے کی تاکید فرمانا اس لئے بھی ہے کہ ماں باپ کی تعلیم و تربیت سے بچے پر برا اثر پڑے گا۔ وہ بچپن میں جو کچھ دیکھے اور سنے گا اسی سانچے میں ڈھلے گا۔ اس لئے لوگوں کو چاہیے کہ بچوں سے بھی جھوٹ نہ بولیں۔ آج کل کے معاشرے میں جھوٹ بولنا ایک معمولی سا کام ہے۔ ہم لوگوں کا یہ ذہن بنا ہوا ہے کہ اگر ہم جھوٹ نہیں بولیں گے تو ہمارا کاروبار اور دوکان داری وغیرہ نفع سے محروم رہیں گے، نقصان ہوگا، سچ بولنے کا یہ دور نہیں ہے گویا بقول شاعر کے یہ کہہ رہے ہیں:

آسمانوں سے فرشتے جو اتارے جائیں
وہ بھی اس دور میں سچ بولیں تو مارے جائیں

ہمیں جھوٹ بولتے وقت اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ ناراض ہوتے ہیں، ہم جب بھی کوئی معاملہ کریں یا کوئی بات کریں، ہمیں چاہئے کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کو مد نظر رکھ کے کریں۔ چنانچہ قرآن پاک میں جھوٹے شخص پر لعنت کی گئی ہے اور جس شخص پر اللہ ﷻ کی لعنت ہو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دونوں جہانوں میں نامراد و ناکام ہوگا۔ جھوٹ بولنا نفاق کی علامت ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ جھوٹ بولنے کو بہت برا سمجھتے تھے، لیکن ہمارے معاشرے میں جھوٹ بولنا ایک فن ہو گیا ہے۔ اور جھوٹ اس قدر عام ہے کہ سچ اور جھوٹ کی تمیز ہی ختم ہو گئی ہے۔ جھوٹ کی برائی بالکل ہمارے دلوں سے نکلی ہوئی ہے۔ حدیث پاک میں مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے منع فرمایا۔ ہم لوگ مذاق مذاق میں لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بول دیتے ہیں اور اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے اس کے لئے بربادی ہو، بربادی ہو، بربادی ہو۔

جھوٹ سے نفرت کلی ہو طبع سے پر ہمیز
ہو نہ کچھ اور۔ پر اتنا تو مسلمان میں ہو

سچ بولنے میں ہی نجات ہے، حدیث میں آتا ہے جو شخص سچ کی تلاش میں رہتا ہے
 - اللہ ﷻ اس کو صدیقین میں لکھ دیتا ہے اور جو جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے اللہ ﷻ اس کو جھوٹوں
 میں لکھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص ۳۱۲)
 اللہ ﷻ ہمیں ہمیشہ سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(علم و عمل لاہور جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ ص ۳۰)

حق سے بہ عذر مصلحت وقت جو کرے گریز

اس کو نہ پیشوا سمجھ، اس پر نہ کر کچھ اعتماد

☆☆☆.....



غـرور نـہ کـر

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ (لقمان- ۱۸)

”اور لوگوں سے بے رخی نہ کرو زمین پر اترا کر نہ چل، بے شک اللہ ﷻ اس کو پیار نہیں کرتا جس کو گھمنڈ ہو۔“

یہ اس نصیحت اور وصیت کا ایک اہم حصہ ہے جو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھی۔ اور وہ قیامت تک کے لئے قرآن مجید میں محفوظ ہوگئی۔ اللہ رب العزت کو فخر و غرور اور شیخی و تکبر کسی طور پر پسند نہیں۔ عام طور پر انسان دنیوی ترقی، مال و دولت، حسن و جمال، قوت و طاقت یا اپنی کامیابی و کامرانی پر اترا نا شروع کر دیتا ہے، حالانکہ دنیا اور دنیا کی زندگی محض ایک کھیل تماشا ہے۔ اس تمام زیب و زینت، فخر و غرور اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مال و دولت کی خواہش کی مثال ایسے ہے جیسے بارش ہو، جس سے کھیتی اگتی ہے اور کسان کو کھیتی بہت بھلی لگتی ہے، پھر وہ خوب زوروں پر آتی ہے (لیکن) پھر دیکھتے دیکھتے زرد پڑ جاتی ہے۔ آخر چورا چورا ہو جاتی ہے دراصل دنیا کی پوری زندگی فقط ایک متاع فریب ہے۔ (الحمدید- ۲۰)

قادر مطلق اللہ بزرگ و برتر کے آگے انسان کی حیثیت ہی کیا ہے انسان کا غرور کرنا محض ایک دھوکہ اور فریب ہے۔ عربی زبان میں غرور کے معنی ہی دھوکہ اور فریب کے ہیں۔

(اللہ کے احکام ص ۶۵)

انسان میں جب کوئی وصف یا کمال پایا جاتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوتا ہے اور یہ کوئی اخلاقی عیب نہیں، لیکن جب یہ خیال اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ وہ اور لوگوں کو جن میں یہ وصف نہیں پایا جاتا، یا کم پایا جاتا ہے، اپنے سے حقیر سمجھنے لگتا ہے تو اس کو کبر، غرور اور اس کے اظہار کو تکبر کہتے ہیں، دنیا میں سب سے پہلے اس بد اخلاقی کا ظہور شیطان سے ہوا، اس نے آدم علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بالاتر سمجھا اور پکارا: اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ (الاعراف- ۱۲) میں اس

سے بہتر ہوں۔

وہ (آدم) مٹی سے بنا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں ﷺ نے اس کی اس شبیہ پر اس کو مردود قرار دیا۔

کبر و غرور ایک اضافی چیز ہے جس کے لئے محض اپنی عظمت کا تخیل کافی نہیں بلکہ اس تخیل کے ساتھ دوسرے لوگوں کی تحقیر بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، کبر تو حق کے مقابلے میں اترا نے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔“ (مسلم)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جائز حد کے اندر لباس، رہائش، زیبائش (سجانا) اور آرائش (سنوارنا) میں خوبصورتی اور نفاست اختیار کرنا اور اپنے جی کو خوش کرنا دین کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ لوگوں کے سامنے بڑا بننے کے لئے اور دوسروں کو حقیر جانتے ہوئے کی جائے تو یہ کبر اور غرور ہے اور اس کا نتیجہ جہنم ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: آرائش بھی جائز، زیبائش بھی جائز، رہائش بھی جائز، مگر نمائش نا جائز۔

ایک حدیث میں ہے:

الْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ.

(۱) حق کا انکار، (۲) اور لوگوں کو حقیر سمجھنا کبر ہے۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۴۳۳)

نبیہتی کی شعب الایمان میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! تواضع اور انکساری کرو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو اللہ تعالیٰ کے لئے انکساری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرمائیں گے۔ پس وہ اپنی نظر میں حقیر ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بزرگ ہے، اور جو تکبر کرے گا اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو پست کریں گے، پس وہ لوگوں کی نگاہ میں حقیر ہے اور اپنی نظر میں بزرگ ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک

کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہے۔ (مکھلوۃ ص ۴۳۴)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تکبر کے اسباب میں سے ایک سبب علم ہے کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہیں ہے۔ لہذا اس کو حاصل کر کے دو خیال پیدا ہوتے ہیں۔

اول: یہ کہ ہمارے برابر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں دوسروں کا رتبہ نہیں ہے۔

دوسرا: ہ کہ لوگوں پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہے پس اگر لوگ تواضع کے ساتھ پیش نہ آئیں تو ان کو تعجب ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟

جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہالت سے بھی بدتر ہے کیونکہ حقیقی علم انسان کو جتنا بھی زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر اس کا خوف و خشیت بڑھے گا۔

كَفَى بِالْمَرْءِ عِلْمًا أَنْ يَخْشَى اللَّهَ وَكَفَى بِالْمَرْءِ جَهْلًا أَنْ يَعْجَبَ بِعَمَلِهِ.

(سنن دارمی)

”کسی شخص کے علم کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اللہ ﷻ سے ڈرتا ہو اور کسی شخص کی بے علمی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے عمل پر ناز کرتا ہو“۔ اللہ ﷻ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے تبع مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ، اور حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ”ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی زبان پر ہی رہے گا، نہ حلق سے نیچے اترے گا اور نہ قلب تک اس کا اثر پہنچے گا۔ لوگوں سے کہیں گے کہ ہم قاری ہیں، ہم عالم ہیں، ہمارے برابر دوسرا نہیں، سن لو! یہ لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے“۔ (علم و عمل جمادی الاولیٰ ص ۱۲۲ھ ص ۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ ﷻ فرماتا ہے، عظمت (بڑائی) میرا ازار (تہبند) ہے اور کبریائی (شان) میری چادر ہے۔ جس نے ان میں سے کسی ایک کو بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کی میں اسے جہنم کا ایندھن بنا دوں گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَدْخُلُوا ابْوَابَ جَهَنَّمَ خَلِدِينَ فِيهَا هِيَ حَقٌّ مَقْشُورٌ مَتَوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ (زمر ۷۲)

”جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے، غرور کرنے والوں کا یہ ٹھکانہ کتنا برا ہے“۔ (لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض مواقع غرور کے جواز کے بھی ملتے ہیں۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارا سامنا بااخلاق لوگوں سے ہو، ان سے حسن اخلاق سے پیش آؤ۔ اور جب کوئی مغرور تمہارے سامنے آئے، تم بھی اس کا غرور توڑنے کے لئے مغرور بن جاؤ۔ (یہ ان کو نیچا دکھانے اور جھکانے کی نیت سے ہو) اس پر تمہیں ثواب ملے گا۔ (تنبیہ الغافلین ص ۲۰۵)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی موت اس حالت میں ہوئی کہ وہ تکبر، خیانت اور قرض سے پاک ہو وہ جنت میں جائے گا۔ (تنبیہ الغافلین)

الغرض غرور و تکبر نہایت رذیل اور مکینہ خصلت ہے، ان اوصاف سے جاہل، اکھڑ، اپنی طاقت پر اترانے والے، غرور کرنے والے اور خجلی اور پست طبیعتوں والے متصف ہوتے ہیں۔ ایک بندہ خاک کو غرور و تکبر کیونکر زیب دیتا ہے، جو گندے ناپاک پانی سے پیدا ہوا۔ اس کا انجام بھی مردار، بدبودار کی شکل میں سامنے آنے والا ہے۔ اگر آدمی اپنی اصلیت کو پرکھے اور انجام پر نظر رکھے تو ہرگز اس کے اندر تکبر کے کیڑے پیدا نہیں ہوں گے اور دیکھا جائے تو دوسروں پر اکڑنے اور اترانے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ ہر انسان آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہے اور حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور اہل علم کی صفت تکبر کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا کبھی بھی معمول نہیں رہا ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کو یا عام انسانوں کو اسلامی یا انسانی رشتہ سے بھائی بھائی رہنا چاہیے اور اخوت و بھائی چارگی کا تقاضا یہ ہے کہ میل محبت اور آپس میں انکساری کا جذبہ پروان چڑھایا جائے اور اس کام سے کم درجہ یہی ہے کہ سلام کرنے یا جواب دینے میں پہل کی جائے، یہ نہیں کہ کسی کو دیکھ کر پیشانی پر بل آجائے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا جائے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ اوجھی حرکتیں وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پست اور سرگشتہ کیا اور انہوں نے ابلیس لعین کی پیروی کی اور اگر انہوں نے توبہ نہیں کی تو ان کا انجام جہنم ہوگا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے رذائل اور ناپاک باطنی اخلاق و اعمال سے بچائے جن کو قرآن و سنت نے حرام قرار دیا ہے۔ (آئین ثم آمین)

بروز حشر وہ جنت کا مستحق ہوگا جو عاجزی کے سبب سر جھکا کے چلتا ہے
نہ بوجھی سو گھسکے گا وہ بارخ جنت کی کہ جس کے دل میں تکبر کا سانپ پلتا ہے

بے جا غصہ نہ کیا کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ۝ (الشوریٰ ۳۷)

”جب ان کو غصہ آتا تو معاف کر دیتے ہیں۔“

انسان کا سکون کی حالت میں معاف کر دینا آسان ہے، لیکن غصہ کی حالت میں جب وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے، معاف کرنا آسان نہیں ہے۔ لیکن ایک مسلمان کی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اس وقت بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور معاف کر دے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو چھٹا کر دے پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے قابو میں رکھے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ ارشاد ہوا کہ ”غصہ نہ کیا کرو“۔ اس کو یہ معمولی بات معلوم ہوئی تو اس نے دوبارہ، سہ بارہ عرض کی۔ آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ ”غصہ نہ کیا کرو“۔

(صحیح البخاری باب الترهیب من الغضب)

مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھڑے ہو کر نصیحتیں فرمائیں، جن میں سے ایک یہ تھی، فرمایا: ”آدم علیہ السلام کے بیٹے کئی طبقوں میں پیدا کئے گئے ہیں، ان میں سے کوئی ایسا ہے جس کو غصہ دیر میں آتا ہے اور سکون جلد ہو جاتا ہے اور کسی کو غصہ بھی جلد آتا ہے اور جلد دور بھی ہو جاتا ہے۔ تو ان دونوں میں ایک بات کی دوسری بات سے اصلاح ہو جاتی ہے اور کوئی ایسا ہے کہ اس کو غصہ جلد آتا ہے اور دفع بہت دیر میں ہوتا ہے تو ہاں ان میں سب سے اچھا وہ ہے جس کو غصہ دیر میں آئے اور دور جلد ہو جائے اور ان سب سے برا وہ ہے جس کو غصہ جلد آتا ہو اور دور بہت دیر میں ہوتا ہو، ہاں غصہ ابن آدم کے دل کی ایک چنگاری ہے۔ دیکھتے نہیں کہ اس کی آنکھیں لال اور اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، تو جس کو اپنے غصہ کا احساس ہو اس کو چاہئے کہ وہ زمین سے لگ (کر بیٹھ) جائے۔ (جامع ترمذی)

آنحضرت ﷺ کے سامنے دو صاحبوں میں کچھ باتیں ہو گئیں۔ ان میں سے ایک صاحب کو

اتنا غصہ آیا کہ چہرہ لال ہو گیا اور رگیں پھول گئیں، تو آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا پھر فرمایا مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ اگر وہ اس کو کہہ لے تو یہ غصہ جاتا رہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۵“ کہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”غصہ آگ کی طرح ایک چنگاری ہے جس (کے دل) میں پیدا ہوا سے چاہئے غصہ ضبط کرنے کے طریقہ (پر عمل کرے) اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔“

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے غصہ پر عمل کر سکتا ہو اور پھر اپنے غصہ کو دبا لے، اللہ ﷻ قیامت کے دن اس کے دل کو خوش کر دے گا۔“ (تہذیب الغافلین ص ۲۲۵)

حضرت محمود ابن مہران رحمۃ اللہ علیہ کی باندی ان کے لئے ایک پیالہ میں سالن لے کر آئی اس کا پیر پھسلا اور سالن ابن مہران کے کپڑوں پر گر گیا۔ انہوں نے اسے سزا دینا چاہی لیکن باندی نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر ان کا غصہ ٹھنڈا کر دیا:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظِ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۵ (آل عمران پ ۴)

” (خدا کے بندے) غصہ ضبط کر لیتے ہیں اور لوگوں (کی خطاؤں) کو معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ ﷻ ایسے ہی (نیک) لوگوں اور احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

(اگر غصہ شدید ہو، آدمی آپے سے باہر ہو جائے تو ایک سو ایک (۱۰۱) مرتبہ مذکورہ آیت اکیس (۲۱) دن تک چھینی یا شکر پر پڑھیں پھر اس کو چائے یا پانی میں ڈال کر پی جائیں۔

(بکھرے موتی ص ۱۹۱)

اس آیت میں ایک خاص صفت اور علامت یہ بتلائی گئی کہ اگر ان کو کسی ایسے شخص سے سابقہ پڑے جو ان کو اذیت اور تکلیف پہنچائے تو وہ غصہ میں مشتعل اور مغلوب نہیں ہو جاتے اور غصہ کے مقتضی پر عمل کر کے انتقام نہیں لیتے۔ پھر صرف یہی نہیں کہ انتقام نہ لیں، بلکہ دل سے بھی معاف کر دیتے ہیں اور پھر اس پر بس نہیں بلکہ تکلیف دینے والے کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتے ہیں۔

اس ایک صفت میں گویا تین صفتیں شامل ہیں۔ اپنے غصہ پر قابو پانا، تکلیف دینے والے کو معاف کرنا، پھر اس کے ساتھ احسان و سلوک کرنا، ان تینوں چیزوں کو اس آیت میں بیان فرمایا۔

(گلدستہ تفسیر جلد اول ص ۶۸۸)

ایک تابعی بزرگ کے بارے میں کہا جاتا ہے: ایک شخص نے ان کے سامنے آکر ان کی

تعریف کی۔ انہوں نے اس سے پوچھا، تم کس وجہ سے میری تعریف کر رہے ہو؟ کیا تم نے مجھے

(۱) غصہ کے وقت دیکھا ہے کہ مجھے غصہ آیا اور میں اسے ضبط کر گیا۔ اس نے کہا نہیں۔

(۲) کیا تم نے میرے ساتھ سفر کیا ہے؟ اور دوران سفر مجھے خوش اخلاق پایا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔

(۳) کیا تم نے میرے پاس کوئی امانت رکھی ہے اور میں نے تمہیں پوری دیانت داری سے لوٹا دی ہو؟

اس نے جواب دیا نہیں۔ تابعی بزرگ نے اس سے کہا، افسوس ہے کسی بات میں مجھے آزمائے بغیر تم

میری تعریف کر رہے ہو۔ خبردار! اس وقت تک کسی کی تعریف مت کیا کرو جب تک ان تین باتوں میں

کسی کو آزمائے نہ لو۔ (تنبیہ الغافلین ۲۳۰)

اسی کو ظفر شاہ دہلوی نے کہا ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانے گا

خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی

جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے بھرے بازار میں امام اعظم کی

شان میں گستاخی کی اور گالیاں دیں۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے غصہ کو ضبط فرمایا اور اس کو کچھ

نہیں کہا اور گھر پر واپس آنے کے بعد ایک خوان میں کافی درہم و دینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف

لے گئے۔ دروازے پر دستک دی، یہ شخص باہر آیا تو اشرافیوں کا خوان اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے

پیش فرمایا کہ آج تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا، اپنی نیکیاں مجھے دے دیں، میں اس احسان کا بدلہ چکانے

کے لئے یہ تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ امام رحمہ اللہ کے اس معاملہ کا اس کے قلب پر اثر ہونا ہی تھا، آئندہ کو

اس بری خصلت سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا۔ حضرت امام رحمہ اللہ سے معافی مانگی اور آپ کی خدمت اور صحبت میں علم حاصل کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت اختیار کر لی۔ (معارف القرآن جلد دوم)

یہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے، کیونکہ کسی کی محبت یا کسی پر غصہ یہ دونوں چیزیں جب غالب آتی ہیں تو اچھے بھلے عاقل، فاضل آدمی کو اندھا، بہرہ کر دیتی ہیں۔ وہ جائز ناجائز، حق و باطل اور اپنے کئے کے نتائج پر غور کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ جس پر غصہ آتا ہے اس کی کوشش یہ ہونے لگتی ہے کہ مقدور بھر اس پر غصہ اتارا جائے۔ مومنین و صالحین کی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ غصے کے وقت حق و ناحق کی حدود پر قائم رہیں بلکہ اپنا حق ہوتے ہوئے بھی معاف کر دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

آنحضرت ﷺ نے غصہ کے دو علاج بتائے ہیں، ایک روحانی اور دوسرا ظاہری۔ روحانی تو وہی ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یعنی یہ غصہ شیطان کا کام ہے اس لئے جب غصہ آئے تو فوراً دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! میں شیطان سے بھاگ کر تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (اَعُوذُ بِاَللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۵) کا یہی مطلب ہے) اللہ اس کی سنے گا اور شیطان کی اس چھٹیڑ سے اس کو محفوظ رکھے گا۔ ظاہری طور سے یہ بھی دیکھئے کہ جب کسی مسلمان کو دل سے یقین ہوگا کہ غصہ شیطانی حرکت ہے تو اللہ ﷻ کا نام لینے کے ساتھ وہ اس سے دور ہو جائے گا۔ دو ظاہری علاجوں میں سے ایک تو یہ ہے کہ انسان کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ تبدیلی ہیئت سے طبیعت بٹ جائے گی اور غصہ کم ہو جائے گا۔ دوسرا علاج یہ ہے کہ وضو کر لے۔ اس سے منشا یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں گرمی سے خون کا دوران بڑھ جاتا ہے، آنکھیں لال ہو جاتی ہیں، چہرہ سرخ ہو جاتا ہے تو پانی پڑنے سے مزاج میں ٹھنڈک آئے گی اور غصہ کی گرمی دور ہو جائے گی۔

(سیرۃ النبی جلد ہفتم)

لہذا غیظ و غضب کی بے اعتدالی بھی بہت بڑی برائی ہے۔ بہت ظالمانہ اور بے دردانہ کام انسان صرف غیظ و غضب اور غصہ میں کر بیٹھتا ہے اور بعد میں اکثر نادام اور پشیمان ہوتا ہے۔ اس لئے

ایک مسلمان کو چاہئے کہ اپنے غصہ پر قابو رکھے اور بے سبب غیظ و غضب کا اظہار نہ کرے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ غصہ میں جلد بازی سے کام نہ لے کیونکہ جلد بازی نقصان دہ ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں انسان کو بعد میں:

☆.....خود پر افسوس ہوتا ہے۔

☆.....لوگوں میں بدنامی ہوتی ہے۔

☆.....اور آخرت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ناراضگی اور عذاب کا سامنا ہوگا۔

صبر سے کام لے، صبر کرنے کے فوائد یہ ہیں:

☆..... صبر کر کے خود انسان خوشی و اطمینان محسوس کرتا ہے۔

☆..... لوگوں میں اس کی تعریف ہوتی ہے۔

☆..... آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

”صبر تلخ است سولیکن بر شیریں دارد“

”صبر کا پہلا گھونٹ کڑوا ہوتا ہے لیکن اس کا پھل (نتیجہ) میٹھا ہوتا ہے۔“

اور ایک مسلمان کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ صبر و برداشت سے کام لے کیونکہ یہ چیزیں

ایک اچھے مسلمان کی خصوصیات میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بھی قرآن کریم میں ایسے

لوگوں کی تعریف کی ہے۔ فرمایا ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ الْأُمُورِ ۝ (شوریٰ-۴۳)

”جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا یہ بڑے عرصہ کی بات ہے اور اہم معاملات میں شامل ہے۔“

اللہ رب العزت ہمیں رذائل سے بچا کر اخلاقِ حمیدہ سے نواز دے۔ (امین ثم امین)

.....☆☆☆.....

کسی کا نام نہ بگاڑو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
وَلَا تَسَابُرُوا بِالْأَلْقَابِ ط بِنْسِ الْأَسْمَاءِ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ج وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ
هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ (الحجرات، پ ۲۶)

”ایک دوسرے کے برے نام نہ لو، ایمان کے بعد نام بگاڑنا گناہ ہے، جو توبہ نہ کریں سو وہی

ظالم ہیں۔“

اس آیت مبارکہ میں ایمان لانے کے بعد کسی مومن کا نام بگاڑنے کو بدترین فعل اور گناہ قرار

دیا گیا ہے اور اس جرم کے مرتکب کو ظالموں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ العیاذ باللہ

یعنی اس طرح نام بگاڑ کر یا برے ناموں سے تجویز کر کے بلانا یا قبول اسلام اور توبہ کے بعد

اسے سابقہ دین یا گناہ کی طرف منسوب کر کے خطاب کرنا۔ مثلاً اے کافر، اے زانی، اے شرابی وغیرہ

یہ بہت برا کام ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں بالکل اس کا خیال نہیں رکھا جاتا

اور نہایت عمدہ اور پیارے نام ایسے بدل دیئے جاتے ہیں کہ ان کا حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے۔ مثلاً عبدالرحمن

، فضل الرحمن، محمد اسلام، غلام محمد، سراج الدین، اور معراج الدین کتنے اچھے اور بامعنی نام ہیں لیکن

عرف عام میں یہ غریب، مانا، فجا، شاما، ساجا، ماجا (العیاذ باللہ) بن کر رہ گئے ہیں۔ یہی حال

فاطمہ، عائشہ، جیسے باوقار ناموں کا ہے کہ بلا تکلف انہیں فتو، عتو (العیاذ باللہ) میں بدل دیا جاتا ہے۔

(اللہ کے احکام)

یہ ہر باشعور شخص کے علم میں ہے کہ اس کائنات میں ہر ایک چیز کا وجود قوت جاذبہ یعنی کشش

کے باعث قائم ہے۔ اسی طرح اسلامی نام جو کہ اچھے نام شمار کئے جاتے ہیں اپنی کشش اور جاذبیت

رکھتے ہیں۔ اور اسلامی نام سے مراد وہ نام ہیں جو کہ بامعنی ہیں یعنی کہ ان کے اچھے اور مثبت اثرات

ہوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں۔ بتوں کے نام کو ظاہر نہ کرتے ہوں۔ اسی طرح اسلامی

ناموں سے یہ ظاہر ہو کہ:

☆..... یہ آدمی مسلمان ہے اور وہ غیر مسلم ہے۔

☆..... یہ آدمی اچھی عادات اور کردار کا حامل ہے۔

☆..... حضور ﷺ کا پیر و کار ہے۔

جس طرح اسلام باقی ادیان اور مذاہب میں منفرد حیثیت کا مالک ہے، اسی طرح اچھے اور اسلامی نام بھی باقی ناموں سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کا اپنا ایک تشخص ہے اور اسی طرح اسلامی ناموں میں بھی اسلامی تشخص کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اسلامی نام میں ہی انسان کی پہچان اور اس کی سب سے بڑی شان ہے۔

نام کا اثر انسان کے اپنے کردار پر بھی بہت گہرا ہوتا ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ (فداہ ابی و امی) نے بچوں کے اچھے نام رکھنا والدین کا فریضہ مقرر فرمایا ہے۔

اسی طرح حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”کسی کو برے ناموں اور القابات سے نہ پکارو، کیونکہ اس سے اس شخص کے دل میں کدورت اور نفاق پیدا ہوتا ہے جس سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پارا پارا ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے بچوں کے با معنی اور اچھے نام رکھنے کی تعلیم دی ہے اور برے ناموں سے پکارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

لیکن آج ہمارے معاشرے میں ایک دوسرے کے ایسے ایسے نام رکھے اور پکارے جاتے ہیں کہ بعض دفعہ بچوں کے نام بگاڑنے اور بدلنے کی وجہ سے اصل نام والدین کو بھی یاد نہیں رہتے اور بعض نام تو ایسے مضحکہ خیز ہوتے ہیں کہ بچے بڑے ہو کر خود ان کے ذکر سے شرماتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ اچھا نام انسان کی ذات اور اس کی شخصیت کا بڑا نشان ہوتا ہے اس کے اچھے خاندان کا پتہ چلتا ہے۔ اور گھٹیا نام اس کی ذات برادری کا اور خاندانی پستی کا پتہ دیتا ہے۔ کسی کو لنگڑا بولا، یا اندھا، کا نا کہہ کر پکارنا یا اس لفظ سے اس کا ذکر کرنا، اسی طرح جو نام کسی شخص کی تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اس نام سے اس کو پکارنا۔

حضرت ابو جبر انصاری ؓ نے فرمایا کہ یہ مندرجہ بالا آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو ہم میں سے اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر توہین کے لئے

مشہور کر دیئے تھے۔ آپ ﷺ کو یہ معلوم نہ تھا، بعض اوقات وہی برنامہ لے کر آپ ﷺ اس کو خطاب کرتے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (گلدستہ تفاسیر جلد ششم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں ”وَلَا تَسَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط“ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا بر عمل کیا ہو تو پھر اس سے تائب ہو گیا ہو۔ اس کو اس برے عمل کے نام سے پکارنا، مثلاً چور، یازانی، یا شرابی وغیرہ جس نے چوری، زنا، شراب سے توبہ کر لی ہو، اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلانے جس سے اس نے توبہ کر لی ہے تو اللہ ﷻ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کو اس گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔ (قرطبی)

بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں جو فی نفسہ برے ہیں مگر وہ بغیر اس لفظ کے پچھانا ہی نہیں جاتا۔ تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت پر علماء امت کا اتفاق ہے۔ بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا قصد (ارادہ) اس سے تحقیر و تذلیل کا نہ ہو، جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ اعرج یا احدب مشہور ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو جس کے ہاتھ نسبتاً زیادہ طویل تھے ”ذوالیدین“ (دراز ہتھیلیوں والے) کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کے ساتھ کچھ ایسے القاب آتے ہیں مثلاً ”حمید الطویل“ (دراز قامت) سلمان الاعمش (آنکھوں چندھیانا) مروان الاصفر وغیرہ۔ تو کیا ان القابات کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا جب تمہارا قصد (ارادہ) اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے۔ (قرطبی)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا حق دوسرے مومن پر یہ ہے کہ اس کا ایسے نام و لقب سے ذکر کرے جو اس کو زیادہ پسند ہو اس لئے عرب میں کنیت کا رواج عام تھا۔

اور آنحضرت ﷺ نے خاص خاص صحابہ کرام ﷺ کو کچھ لقب دیئے ہیں۔

☆..... صدیق اکبر ﷺ کو متیق

☆..... حضرت عمر فاروق ﷺ کو فاروق

☆..... اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ فرمایا ہے۔ (گلدستہ تفاسیر جلد ششم

الحجرات)

مختصر یہ کہ کسی کا برنامہ رکھنا یا بگاڑنا اس سے آدمی خود گنہگار ہوتا ہے۔ اسے تو واقع میں عیب لگے یا نہ لگے لیکن اس کا نام بدتہذیب فاسق، گنہگار مردم آزار پڑ گیا خیال کرو ”مومن“ کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں، پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا بدترین القاب سے یاد کرنا یا برے نام سے پکارنا نہایت ہی مذموم حرکت ہے۔ اس لئے اس سے قبل جو گناہ ہو چکے ہیں اس سے توبہ کر لیں۔ اگر ہم نے ان احکام و ہدایات سننے کے بعد بھی ان جرائم سے توبہ نہ کی تو اللہ ﷻ کے نزدیک اصل ظالم ہم ہی ہوں گے۔

اپنے عیوب پر تو ذرا بھی نظر نہیں
اوروں پہ اعتراض میں ہر وقت مست ہے

☆☆☆☆.....

شہدائے لاہوری
موہڑہ کور چشم (چوال)
پاکستان
Mohra Kor Chasham (Chakwal) Pakistan

چغل خوری نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ (الْقلم-۱۱)

طعنے دے، چغلی کھاتا پھرے۔ (گلدستہ تفاسیر جلد ۷ ص ۳۶)

حضرت حذیفہ ؓ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

چغلی خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (تنبیہ)

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بھلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور۔ فرمایا! وہ شخص جب اسے دیکھا جائے تو خدا تعالیٰ یاد آجائے۔ اور سن لو سب سے بدتر وہ شخص ہے جو چغلی خور ہو، دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو، پاک و صاف لوگوں پر تہمت لگانے والا ہو۔ (مسند احمد)

حضرت قتادہ ؓ سے مروی ہے: لوگوں میں یہ تین آدمی سب سے برے ہیں:

(۱) طعنے دینے والا (۲) لعنت کرنے والا (۳) اور چغلی خور۔

حضرت یحییٰ ابن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چغلی خور جادوگر سے بھی برا اور خطرناک ہے، جادوگر جو کام ایک مہینہ میں کرے گا، چغلی خور ایک گھنٹہ میں کر دیتا ہے۔ (تنبیہ الغافلین ص ۱۹۰)

بعض دانا لوگ کہتے ہیں کہ چغلی خور کا طریقہ شیطان کے عمل سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔ شیطان کا عمل خیال اور وسوسہ تک ہوتا ہے۔ جبکہ ایک چغلی خور آنکھوں سے دیکھتے ہوئے دو آدمیوں کو دھوکہ دے کر آپس میں لڑا دیتا ہے۔

حضرت حماد بن سلم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے ایک غلام فروخت کیا، اور خریدار کو بتا دیا کہ یہ ”چغلی خور“ ہے اس کے باوجود خریدار نے اسے خرید لیا۔ غلام نئے مالک کے گھر میں رہنے لگا۔ ایک روز اس نے مالک کی بیوی سے کہا، تیرا خاوند دوسری شادی کر رہا ہے کیونکہ اسے اب تجھ سے محبت نہیں رہی۔ تو اسے اگر اس بات سے روکنا چاہتی ہے تو آج رات کو جب وہ سو جائے تو اس کی ڈاڑھی موٹے دے، تجھے اس کی محبت مل جائے گی۔ بیوی اس کے لئے آمادہ ہو گئی۔ دوسری

طرف خاوند سے کہا: تیری بیوی بے وفائی پر اتر آئی ہے، اس نے ایک شخص سے دوستی کر لی ہے اب تجھے قتل کر دینا چاہتی ہے تو رات کو ذرا احتیاط سے سونا۔ رات کو بیوی اپنے منصوبے کے مطابق خاوند کی ڈاڑھی موٹنے کی غرض سے استرا (ریزر) لے کر آئی۔ خاوند نے اس کے ہاتھ میں استرا دیکھا تو اسے خیال آیا کہ غلام نے ٹھیک ہی کہا تھا، یہ استرا لے کر مجھے قتل کرنے آئی ہے۔ اس نے بیوی کے ہاتھ سے استرا چھین کر اسے ہی قتل کر دیا۔ بیوی کے رشتہ دار یہ خبر سن کر آئے اور خاوند کو قتل کر دیا، پھر خاوند کے طرفدار آگئے، انہوں نے بیوی کے رشتہ داروں سے بدلہ لینے کے لئے ان سے مقابلہ شروع کر دیا۔ اس طرح دو خاندانوں میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ (تسمیہ الغافلین ص ۱۸۹)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو شخص کسی دوسرے شخص کی بات تم سے کہہ دے وہ تمہاری بات بھی دوسرے سے جا کر کہے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصِيبُكُمْ عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَذِيرًا ۝ (الحجرات-۶)

اے ایمان والو! اگر کوئی بدکردار شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے اس (خبر) کی تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو کہ) تم کسی قوم پر بے خبری میں حملہ کر دو اور بعد میں اپنے کئے پر پچھتاؤ۔

یعنی اس کی بات سچ سمجھ کر فوری طور پر عمل نہ کر لیا کرو، بلکہ اس خبر کی پوری تحقیق کر لیا کرو، تاکہ (بعد میں) تمہیں ندامت نہ ہو۔ اکثر جھگڑے فساد کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے، اس لئے اول اختلاف و تفریق کے اس سرچشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی۔ یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرو۔ فرض کیجئے ایک بے راہ رو اور تکلیف دہ آدمی اپنے کسی خیال اور جذبے سے بے قابو ہو کر کسی قوم کی شکایت کرے۔ تم محض اس کے بیان پر اعتماد کر کے اس قوم پر چڑھ دوڑے، بعد میں ظاہر ہوا کہ اس شخص نے غلط کہا تھا تو خیال کرو، اس وقت کس قدر پچھتا تا پڑے گا اور اپنی جلد بازی پر کیا کچھ ندامت ہوگی اور اس کا نتیجہ جماعت اسلام کے حق میں کیسا خراب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی الحجرات)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے، ان پر

کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معدوم النسب (جس کے خاندان کا اتہ پتہ نہ ہو) راز کو چھپا کر نہیں رکھ سکتا۔ وہ تمہاری بات کو جگہ جگہ کہتا پھرے گا اور شریف النسب (خاندانی) اپنے پڑوسیوں کو تنگ نہیں کیا کرتا۔

حضرت کعب ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل قحط میں مبتلا ہو گئے، حضرت موسیٰ ؑ تین مرتبہ ان کو لے کر نکلے اور اللہ ﷻ سے بارش کی دعا کی مگر بارش نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ ؑ نے اللہ ﷻ سے عرض کیا: اے پروردگار! میں تین مرتبہ دعا کے لئے قوم کو لے کر نکلا اور دعا کی، مگر تو نے دعا قبول نہ کی، اس کی کیا وجہ ہے؟ اللہ ﷻ نے انہیں وحی کے ذریعہ اطلاع دی، تمہارے اندر ایک چغزل خور ہے اس کی وجہ سے تمہاری دعا قبول نہیں ہو رہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ کون ہے؟ اللہ ﷻ نے فرمایا: میں نے تمہیں چغزل خوری سے منع کیا ہے اگر میں نے اس کا نام بتا دیا تو میں چغزل خور بن جاؤں گا۔ نام نہ پوچھو تم سب مل کر اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور پھر دعا کرو۔ چنانچہ پوری قوم نے توبہ کی اور پھر بارش کی دعا کی تو بارش ہو گئی۔

ایک فلسفی کا قول ہے: جس نے تم سے کہا فلاں شخص تمہیں گالی دے رہا ہے اس نے خود تمہیں گالی دی ہے۔

حضرت وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، جس نے تمہاری تعریف کی، وہ کسی وقت تمہاری برائی بھی کرے گا (یعنی چغزل خوری کرے گا)

اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ فلاں شخص آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کر رہا تھا، اس وقت آپ درج ذیل باتوں پر عمل کریں:

☆..... اسے سچ نہ سمجھیں، کیونکہ چغزل خور کی گواہی کہیں قبول نہیں کی جاتی۔

☆..... اسے اللہ ﷻ کا خوف دلائیں کہ ایسی باتیں نہ کیا کرے ورنہ اللہ ﷻ ناراض ہوگا اور اسے اپنے قریب نہ آنے دیں۔

☆..... اپنے اس مسلمان بھائی کے متعلق کسی خیال غلط کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں جس کی بابت کسی

چغلی خورنے آپ سے کوئی بات کہی ہے۔ کیونکہ بدظنی سے منع کیا گیا ہے۔ ان بعض الظن اثم۔
بعض گمان گناہ ہیں۔

☆..... اپنے اس مسلمان بھائی کے متعلق (کسی چغلی خور کی کہی ہوئی بات کی وجہ سے) کسی طرح کے
تجسس اور کھود کرید میں نہ پڑ جائیں۔ اس سے روکا گیا ہے۔

ولا تجسسوا (لوگوں کی جاسوسی مت کرو)

☆..... چغلی خور کی جو بات آپ کو ناگوار گزری ہے اس پر توجہ نہ دیں، نہ کسی سے اس کا تذکرہ کریں۔

الغرض! چغلی خور آدمی بیک وقت جھوٹ، نفاق، چا پلوسی، مدہانت، مکرو فریب اور جھگڑالو،
مختصر یہ کہ تمام اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ اور یہ اوصاف ایسے آدمی کے اندر بیک وقت یکجا نہیں ہو سکتے
جو اللہ ﷺ پر، اس کے رسول ﷺ پر، اور آخرت کے دن پر کامل ایمان رکھتا ہو۔ کیونکہ جو شخص کامل
ایمان کا دعویٰ کرے گا، اس کا ایمان اسے ان مذموم اوصاف سے باز رکھے گا۔ جو خالص شیطانی اور
ابلیس کے اوصاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص دنیا میں دورخا ہوتا ہے قیامت میں اللہ ﷺ اس کو دو
چہروں کے ساتھ زندہ کرے گا۔ اور جس کی دوزبانیں ہوں گی اس کو دوزبانوں کے ساتھ زندہ کرے
گا۔ اور اس کی یہ درگت محض اس لئے ہوگی تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ سزا ہو۔ وہ شخص دردناک عذاب
کا مزہ چکھے، تمام لوگ اسے دیکھیں اور خوب خوب اسے رسوا کریں اور اس مذموم صفت سے روکنے
کے لئے اس قدر سخت وعید یقیناً کافی ہوگی۔

ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ جھوٹ، دھوکہ، نفاق، مکاری، چغلی خوری اور جملہ ایسے
مذموم اوصاف سے محترز رہے جو ایمان اور اسلام کے برعکس ہیں اور جو قرآن پاک کی تعلیمات اور
سنت نبویہ کے خلاف ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں تمام مذموم اوصاف سے بچائیں۔ (آمین)

.....☆☆☆.....

کسی کا مذاق نہ اڑاؤ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ. (المحجرات ۱۱)
”کوئی کسی کا مذاق نہ اڑائے۔ ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں۔“

تمسخر یہ ہے کہ دوسرے پر پھبتیاں کسی جائیں اور اس انداز سے بات کی جائے، جس سے اس کی ہنسی ہوتی ہو اور بے عزتی کا پہلو نکلتا ہو۔ مذاق سے مقصود خوش طبعی ہے، مثلاً یہ دیکھ لیں کہ آپ کا مذاق کسی کی دل آزاری، غیبت یا بہتان کا ذریعہ تو نہیں بن رہا۔ اگر ایسا ہے تو آپ نے ایک اچھے خاصے مباح کام کو حرام اور گناہ کبیرہ سے تبدیل کر دیا۔ ایسے مذاق سے دور رہئے جو آپ کو خدا تعالیٰ جل شانہ سے دور کر دے۔ مذاق میں اس بات کا بھی خیال رکھئے کہ آپ کا مذاق شائستگی لئے ہوئے ہو، مہکھو پن اور چھچھورا پن اس میں نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ تو خوش ہو رہے ہوں لیکن یقیناً جانتے ایسا مذاق دوسروں کی طبیعت پر سخت ناگوار گزرتا ہے۔ یہ آپ کی شخصیت کو دوسروں کی نظروں میں گرا دیتا ہے اور ان کے دلوں سے آپ کی قدر کھودیتا ہے۔ مذاق کی حد اور شرط یہ ہے کہ بہت زیادہ نہ ہو، جھوٹ نہ ہو، اور باعث دل آزاری نہ ہو۔

اگر آپ ذرا غور کریں تو آپ پر فوراً واضح ہو جائے گا کہ تمسخر وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو اعلیٰ اور دوسروں کو ادنیٰ سمجھتے ہیں، دوسروں کی حقارت میں لطف محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ سب انسان برابر ہیں اور ایک باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

خوش طبعی انسان کے اچھے ذوق کی دلیل ہے، اس سے گفتگو میں لطف اور مجلس میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کبھی کبھی نہایت شستہ مذاق فرماتے تھے۔ مثلاً ایک بڑھیا سے آپ ﷺ نے فرمایا ”جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی“ یہ سن کر وہ بڑھیا بے چاری رونے لگی، آپ ﷺ کو ترس آ گیا، فرمایا: ”گھبراؤ مت، پہلے بوڑھوں کو جوان کر دیا جائے گا اس کے بعد جنت میں داخل کیا جائے گا۔ یہ سنتے ہی روتی منہ بسورتی بڑھیا مسکرانے لگی۔

ہر وقت کا ہمسی مذاق بھی اپنی افادیت کھودیتا ہے، اس سے اپنے اور دوسروں کے دلوں کو خوش

کرنا، اور ان کی طبیعتوں کو تروتازہ رکھنے کا جو مقصد حاصل کرنا ہوتا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ فوت ہو جاتا ہے بلکہ دوسروں کی بیزاری کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”کثرت سے ہنسی مذاق کرنا دلوں کو مردہ کر دیتا ہے“۔ لیکن اس حدیث سے مذاح کی کلی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ، شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ ہنسی وہ ممنوع ہے جو غفلت قلب کے ساتھ ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی سے جدائی مت کرو، اس سے مذاق مت کرو (جس سے وہ پریشان ہو) اور اس سے وعدہ خلافی مت کرو۔

(ترمذی۔ مشکوٰۃ ص ۴۱۳)

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ایسا مذاق کرتے ہیں جس سے لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات مذاق کی وجہ سے لڑائی کی نوبت آ جاتی ہے۔ سو یہ ہرگز درست نہیں۔ آپ ﷺ نے ایسا مذاق فرماتے، نہ کسی مسلم کے لئے جائز قرار دیتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو زیادہ مذاق کرے گا، اس کی اہمیت اور اس کا وقار جاتا رہے گا۔ (اتحاف: ۷/۴۹۹: بہجتی جلد ۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جو مذاق کرتا ہے اس کا وقار جاتا رہتا ہے (اتحاف: ۷/۴۹۶) حضرت عبداللہ بن السائب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی کسی کا سامان نہ مذاق لے نہ حقیقتاً لے، اگر اپنے بھائی سے مذاق لے لے تو فوراً واپس کر دے۔ (ابوداؤد ص ۲۸۳)

ہنسی مذاق شریعت کی نظر میں:

☆..... ایسا ہنسی مذاق جس میں مخاطب کی دل آزاری یقینی ہے، وہ باجماع حرام ہے۔ اس کو مزاح جائز میں سمجھنا گناہ بھی ہے اور جہالت بھی۔

☆..... ہنسی مذاق میں کسی کے عیب کا اظہار اس طرح کیا جائے جس سے لوگ ہنسیں، اس میں بہت سی صورتیں داخل ہیں۔ مثلاً:

۱..... کسی کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، ہنسنے بولنے، وغیرہ کی نقل اتارنا یا قد و قامت اور شکل و صورت کی نقل اتارنا۔

۲..... اس کے کسی قول و فعل پر ہنسنا۔

۳..... آنکھ یا ہاتھ کے اشارے سے اس کے عیب کا اظہار کرنا۔

یہ وہ گناہ بے لذت ہیں جو آج کل مسلمانوں میں وبا کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ (گناہ بے لذت ص ۸)

☆..... جب انسان غلطی سے کوئی کفر کی بات کہہ دے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب کفر کا کلمہ زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا۔ اگر ہنسی، دل لگی میں کفر کی بات کہے اور دل میں نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے کہ ایمان جاتا رہتا ہے، جس سے نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے اور گزشتہ عمر کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اب اگر نئے سرے سے ایمان قبول کر لیا تو نکاح دوبارہ کرنا پڑے گا، بشرطیکہ بیوی بھی راضی ہو۔ اگر فرض حج کر چکا ہے تو وہ بھی دوبارہ کرنا پڑے گا۔ غرض اب سب نیک اعمال نئے سرے سے شمار ہوں گے، پچھلے کئے ہوئے نیک کاموں کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

☆..... اسلام کے طور طریقوں (شعائر) اور احکام اسلام کا مذاق اڑانا، جیسے ڈاڑھی کا مذاق اڑانا، عورتوں کے پردے کا مذاق اڑانا، نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ کا مذاق اڑانا، فرشتوں کا مذاق اڑانا، ان سب باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

☆..... بعض لوگ ناواقفیت یا غفلت سے ہنسی مذاق کو خوش طبعی میں داخل سمجھ کر اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مزاح جائز جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی بات خلاف واقع زبان سے نہ نکلے اور کسی کی دل آزاری نہ ہو اور یہ بھی مشغلہ اور عادت نہ بنے، کبھی کبھی اتفاقاً ہو جائے۔ اور ایسا مزاح جس میں کسی مسلمان کو رنج اور تکلیف نہ پہنچے اور انبساط قلب کے لئے کیا، وہ جائز ہے۔ جس مزاح میں کسی مسلمان کی تذلیل ہو یا اسے تکلیف پہنچے یا ایسی بے ہودہ باتیں جن سے لوگ قہقہے لگائیں، یا گالی اور فحش ہو، ایسا مزاح جائز نہیں۔ ایسے مزاح سے انسان خدا کی رحمت سے آسمان و زمین کے فاصلے سے بھی زیادہ دور ہو جاتا ہے۔

(احیاء العلوم)

محض لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں بنانے کی عادت مت ڈالو، زیادہ مت ہنسو، اس سے دل

مردہ ہو جاتا ہے، یعنی اس میں قساوت و غفلت آ جاتی ہے اور چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے۔ (تعلیم الدین ص ۳۰)

دل مردہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل اللہ ﷻ کی جانب متوجہ نہ رہے اور نرمی، رحم دل میں نہ رہے، دل کے زندہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ دل خدا کے نور سے بھرا ہوا ہو۔ دین کی باتیں سن کر یا پڑھ کر بہت رونا آئے اور دین کی باتوں سے دل کو سکون حاصل ہو لیکن یہ عجیب اور اٹٹی بات ہے کہ محاورہ میں زندہ دل اس کو کہتے ہیں جو بہت ہنسنے ہنسانے والا ہو؟

☆.....☆ خرد کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خرد ☆.....

☆.....☆ اگر کسی نے مذاق کے رنگ میں قسم کھائی کہ فلاں کام نہیں کروں گا، دل میں بھی پختہ ارادہ نہ کرنے کا تھا، لیکن پھر کر لیا تو قسم کا کفارہ پڑ جائے گا۔

☆.....☆ کسی کی کوئی چیز چھپا کر اس کو پریشان کرنا، بعد میں اس کو دے دینا اور کہنا کہ بھائی میں نے تو ویسے ہی آپ سے مذاق کیا تھا، چوری کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ ایسا مذاق بھی شرعاً ممنوع ہے۔

☆.....☆ اپریل فول کی رسم، جو عیسائیوں کی رسم ہے کہ یکم اپریل کو وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مذاق کے رنگ میں جھوٹ بولتے ہیں، مثلاً آپ کا باپ مر گیا یا فلاں چیز کو آگ لگ گئی وغیرہ۔ بعض مسلمان بھی اس رسم بد کی نقالی کرتے ہیں۔ یاد رکھئے! ایسا مذاق کرنا شرعاً حرام ہے۔

بہر حال کسی کا مذاق اڑانا کسی مسلمان کی بری طرح تو بہن کرنا ہے اس میں شک نہیں کہ یہ بڑا گناہ ہے اور بڑے گناہ سے معافی خالص توبہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور جس سے مذاق کیا جاتا ہے اس کی زندگی میں اس سے معافی مانگ لینا ضروری ہوتا ہے ورنہ بصورت دیگر اللہ ﷻ سے مغفرت کی دعا کرے اور اس کے سامنے توبہ کرے۔ یا اللہ! ہماری زبانوں کی حفاظت فرمائیے اور ہمیں ان باتوں سے بچالیجئے جن سے قرآن وحدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆.....

کسی پر تہمت نہ لگاؤ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ (الہمزہ پ ۳۰)

”ہر اس شخص کے لئے بڑی تباہی و بربادی ہے جو دوسروں کی عیب چینی اور بدگوئی کرتا ہے۔“

..... مطلب یہ ہے کہ اپنی خبر نہیں دوسروں کو حقیر سمجھ کر طعنے دیتا اور ان کے واقعی یا غیر واقعی

عیب چنتا رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حافظ ابن کثیر نے فرمایا ہمزة وہ جو کسی کی زبان سے برائی کرے اور لمزة وہ جو افعال کے ذریعے کسی کی دل آزاری کرے۔ عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ کیا ہے۔ فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو یعنی ہر بری بات کو زبان سے روکو اور گھر میں بیٹھو، اور اپنے گناہوں پر روپا کرو۔

۲..... اس آیت میں بڑی سخت وعید ہے عیب چینی اور بدگوئی کرنے والوں کی۔ کسی کی عیب چینی بھی دل دکھانے والی چیز ہے جس سے اتفاق و محبت میں نہ صرف فرق آجاتا ہے بلکہ اس کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے ”مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف و خطر نہ ہو۔“

اس حدیث شریف میں زبان اور ہاتھ سے ایذا رسانی کا ذکر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق انہیں دونوں سے ہوتا ہے۔ ورنہ مقصد و مطلب یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور ایک دوسرے کے خلاف زبان درازی یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں۔ ایک حدیث میں

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے بھائی کے عیب کو ظاہر نہ کر شاید اللہ ﷻ اس کو معاف کر دے اور تجھ کو مبتلا کر دے۔ اسی طرح فرمایا گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور کسی کو خبر نہیں کہ کس نے کب توبہ کی، ہو سکتا ہے جس کو تم برا کہتے ہو اس نے توبہ کر لی ہو۔ اور جس کو تم تکبر اور غرور میں قابل مذاق سمجھتے ہو وہ تو اپنے عجز و انکسار کی وجہ سے معزز و کرم ہو جائے اور تم اپنی بلندی و پاکی کے زور میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے مجرم ٹھہرو۔ (درس قرآن جلد ۱۰ سورۃ الحجرات)

سورۃ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام کی (تہمت لگا کر) تکلیف پہنچاتے ہیں جو کام انہوں نے نہیں کیا ہے تو (انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ) انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر ڈال لیا ہے۔“

جو لوگ ایمان داروں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں جن سے وہ بری ہیں، وہ بڑے بہتان باز ہیں اور زبردست گناہگار ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے تو کفار ہیں، پھر رافضی شیعہ جو صحابہ ﷺ پر عیب گیری کرتے ہیں اور اللہ ﷻ نے جن کی تعریفیں کیں یہ انہیں برا کہتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے صاف الفاظ میں فرمادیا کہ وہ انصار و مہاجرین سے خوش ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کی مدح و ستائش موجود ہے، لیکن یہ بے خبر، کند ذہن انہیں برا کہتے ہیں ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان میں وہ باتیں بتاتے ہیں جن میں وہ بالکل الگ ہیں۔ حق یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں، اس لئے ان کی زبانیں اٹلی چلتی ہیں، قابل مدح لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور مذمت کرنے والوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں ”تیرا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے اگر وہ سنے تو اسے برا معلوم ہو، آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ اگر وہ بات اس میں ہو تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا جی تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے۔ (ترمذی، بحوالہ تفسیر ابن کثیر الاحزاب)

۳..... بہتان یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو مجرم ٹھہرایا جائے یا اس کی طرف ناکردہ گناہ یا برائی منسوب کی جائے۔ یہ بھی ایک طرح کا جھوٹ ہے، بلکہ قرآن کریم نے اس کو بھی خیانت کہا ہے۔

بعض بہتان ایسے ہوتے ہیں جس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا، لیکن شرارت کی راہ سے کسی بے گناہ کے سر اس لئے تھوپا جاتا ہے کہ اس کی بدنامی ہو۔ قرآن کریم نے اس کا نام اٹک رکھا ہے۔ یہ دونوں باتیں جھوٹ ہونے کے علاوہ حد درجہ شرافت کے خلاف ہیں اور اسی لئے جو لوگ جان بوجھ کر یا بے جانے بوجھ اس بہتان باندھنے میں شریک ہو جاتے ہیں وہ بھی گنہگار خیانت کار ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں طعمہ نامی مدینہ کے ایک منافق نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر چوری کی۔ مسلمانوں کو اس پر شبہ ہوا تو اس نے ایک مسلمان کا نام لے دیا۔ وہ تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ معاملہ آنحضرت ﷺ تک پہنچا، اس منافق کے گھر والوں نے اس کا ساتھ دیا اور اس کو بری ٹھہرایا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے موافق فیصلہ کرنا چاہا تو وحی الہی نے دفعہ حقیقت کا پردہ چاک کر دیا۔

(جامع ترمذی - سورہ نساء)

اس تہمت و بہتان کی برائی کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ بہتان باندھنے والا اور تہمت لگانے والا اللہ ﷻ کے حضور فاسق ٹھہرایا گیا اور اس کی گواہی ہمیشہ کے لئے بے اعتبار ہوگئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنے غلام پر تہمت لگائے حالانکہ وہ بے گناہ ہو، یعنی اس نے وہ جرم نہیں کیا تھا تو اللہ ﷻ قیامت کے دن اس مالک کی پیٹھ پر کوڑے مارے گا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب)

یہ گویا قذف یعنی تہمت بے جا کی مثالی سزا ہوگی۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جس میں جو برائی نہیں اس کی نسبت اس کی طرف کرنا بہتان ہے۔“ (سنن ابوداؤد کتاب الادب) یعنی اس برائی سے بچنا چاہیے۔ (سیرۃ النبی جلد ششم ص ۴۲۱)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (النور-۴)

ترجمہ:- اور جو کوئی پاک دامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان مفسدوں کو اسی اسی درے رسید کرو اور آئندہ تو کبھی بھی ان کی شہادت قبول نہ کرنا، کیونکہ یہ لوگ

بدکار ہیں۔

علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ مذکورہ آیت میں ”زنی“ سے مراد زنا کی تہمت ہے اور لواطت کی تہمت بھی ہو سکتی ہے، جیسے کسی خاتون کو یوں کہا جائے، اے زنا کار! اے کبھی (زانیہ) یا کسی مرد کو اے زانی! یا مفعول (نیچے والا) کہا جائے۔ اور جو یہ قرآن پاک میں ”محسنات“ کا لفظ وارد ہوا ہے اس کے معنی ”الانفس المحسنات“ (پاک دامن نفوس) کے ہیں جو مردوں عورتوں سب کو شامل ہے۔

الغرض اگر کسی نے کسی مسلمان آزاد، عاقل، بالغ اور لواطت اور زنا سے محفوظ آدمی پر تہمت لگائی اور اپنے دعوئی پر چار گواہ پیش نہیں کئے تو اس جھوٹے دعویدار کو اسی (۸۰) درے مارے جائیں گے۔ (اگر ملک میں شرعی نظام نافذ ہو تو) اس دنیا میں مادی سزا اس کے لئے یہی ہے۔ رہی معنوی سزا، تو وہ یہ ہوگی کہ اس کی گواہی مردود ہوگی، اور ریکارڈ میں اس کا نام فاسق درج ہوگا۔ اب اگر کوئی باشعور آدمی تہمت کی بات پر مذکورہ دو سزاؤں پر غور کرے گا تو اسے بخوبی معلوم ہوگا کہ مسلمان پر تہمت دھرنا ہلک ترین گناہ کبیرہ ہے۔ نیز اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو پہلے گزری اور آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ مزید وضاحت درج کی جاتی ہے۔

☆..... زنا کی تہمت دھرنے والا قریب قریب زنا کی حرکت کرنے والا ہے کیونکہ زنا کار کی سزا سو کوڑے ہے، جبکہ تہمت دھرنے والے کو اسی (۸۰) کوڑے مارے جاتے ہیں۔

☆..... اس کی گواہی کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆..... اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک اس کا نام فاسقوں کی فہرست میں درج ہوگا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے یہاں فاسق شمار ہوگا، وہ کامیابی اور سعادت نہیں پائے گا۔

☆..... تہمت دھرنے والا زبردست عذاب کا مستحق ہوگا۔

☆..... قیامت کے دن جملہ خلائق کے سامنے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اس پر ڈانٹ پھٹکار ہوگی جس کی صورت یہ ہوگی کہ اس کی زبان اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ دنیا میں رہ کر ہلاکت اور معصیت کا کون کون سا کام کرتا تھا۔ تا آنکہ وہ پاک دامن سادہ لوح مرد

خواتین پر تہمت دھرنے سے بھی نہیں چوکتا تھا۔

☆..... اعضا کی اس دو ٹوک گواہی کے بعد اللہ ﷻ اپنا فیصلہ صادر کرے گا اور حکم ہوگا کہ اس شخص کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے۔

ہم سب کو اللہ ﷻ محض اپنے فضل و کرم سے ہماری اپنی زبان کے شر اور کلام کے بد انجام سے محفوظ رکھے۔ بلاشبہ وہ بڑی بخششوں اور بزرگی والا ہے۔ (تلخیص معاشرہ کی مہلک بیماریاں)

☆☆☆.....



بدگمانی اور تجسس سے بچو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ذٰلِكَ بَعْضُ الظَّنِّ اِنَّهٗمۡ وَلَا تَجَسَّسُوْا.

(المحجرات-۱۲)

”اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو۔“
بدگمانی ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے جس کا نتیجہ ہے کہ ایسے شخص کو ہر ایک کام میں بدبینی ہی بدبینی معلوم ہوتی ہے اور کسی کے کام میں اس کو حسن نیت نظر نہیں آتا۔ دوسرے کی طرف انہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے۔ دوسرے کو بھی جب اس کا خیال ہوتا ہے اور وہ بھی اس سے کترانے لگتا ہے تو اس سے آپس میں نفرت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب بدگمانی سے بچنے کی تاکید کی تو اس کے ساتھ ہی بغض و حسد اور ایک دوسرے کے معاملات کے تجسس و تلاش کی ممانعت فرمائی کیونکہ وہ بدگمانی کے اسباب یا لازمی نتیجے ہیں۔ فرمایا: ”تم بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ تم دوسروں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، اور نہ آپس میں حسد اور بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھيرو۔ اے اللہ کے بندو! جیسے اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ (صحیح بخاری)

یہ بھی مناسب ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا کام کر رہا ہو، یا کسی ایسی حالت میں ہو جن سے دوسرے کو بدگمانی کا موقع ملے تو وہ اس بدگمانی کو دور کر دے تاکہ وہ فتنے میں نہ پڑے۔

اس کی مثال خود آنحضرت ﷺ نے پیش فرمائی ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ اعتراف میں بیٹھے تھے رات کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی آپ ﷺ سے ملنے آئیں، آپ ﷺ واپس پہنچانے چلے کہ اتفاقاً راستہ میں دو انصاری آگئے۔ وہ آپ ﷺ کو کسی عورت کے ساتھ دیکھ کر اپنے آنے کو بے موقع سمجھے اور واپس ہونے لگے تو آپ ﷺ نے فوراً آواز دی اور فرمایا یہ میری فلاں بیوی ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھے کسی کے ساتھ بدگمانی بھی کرنی ہوتی تو میں آپ ﷺ کے ساتھ کرتا؟ ارشاد ہوا

شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑ جاتا ہے۔ (صحیح مسلم، ماخذ سیرۃ النبی ﷺ جلد ششم ص ۴۲۸)
 ابوداؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تو لوگوں کی
 پوشیدگیاں اور ان کے راز نٹولنے کے درپے ہوگا تو، تو انہیں بگاڑ دے گا، فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب
 کر دے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو۔ اور تجسس
 کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو۔ جو کسی کو اپنی باتیں نہ سنانا چاہتے ہوں۔

(تفسیر ابن کثیر)

اس آیت میں پہلی چیز جس کی ممانعت فرمائی گئی وہ بدگمانی ہے۔ بدگمانی فساد کی جڑ ہے، جب
 ایک فریق دوسرے فریق سے بدگمان ہو جاتا ہے اور حسن ظن (نیک گمان) کی گنجائش نہیں چھوڑتا تو
 مخالف کی کوئی بات ہو، اس کا محل اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے
 ہوں، اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو تو ہمیشہ بدگمانی کرنے والے کی طبیعت برے پہلو کی طرف
 چلے گی اور اس برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر الزام اور تہمتیں لگانا شروع
 کر دے گا، اور پھر یہی نہیں کہ صرف بدگمانی پر اکتفا ہو۔ بلکہ اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے
 اندرونی عیب معلوم ہوں جس پر خوب حاشیے چڑھائے جائیں اور پھر اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم
 کریں۔ یہ بدگمانی ایسی بری چیز ہے کہ اس سے دلوں کے اندر کینے کے اژدھے پلتے ہیں۔ اس بدگمانی
 کی بدولت اچھے اچھے دوست اور رشتہ دار بھی جدا ہو جایا کرتے ہیں اور برخلاف اس خراب عادت کے
 نیک گمانی ایسی اچھی صفت ہے کہ برے سے برے تعلقات کو بھی الفت و محبت میں تبدیل کر دیتی
 ہے۔

دوسری چیز جس کی اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی وہ کسی کے عیبوں اور کمزوریوں کی تفتیش
 اور جستجو میں نہ پڑنے کی ہے۔ یہ تجسس اور دوسروں کے عیبوں کی دریافت اور نٹول بھی مکینہ حرکات ہیں
 تا وقتیکہ کوئی شرعی مصلحت یا ضرورت ہی اس کی نہ آ پڑے۔ (درس قرآن استفادہ ص ۹۳-۹۴)
 بدگمانی اور تجسس (دوسرے کی ٹوہ میں رہنا) دو ایسے عظیم گناہ ہیں جن کو ہم نے گناہ سمجھنا ہی
 چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں صاف طور پر مذکور ہے کہ دوسرے کے خلاف بدگمانی کرنا بھی

حرام ہے اور تجسس کرنا یعنی دوسرے کی ٹوہ میں لگنا کہ یہ کیا غلط کام ہو رہا ہے اور دوسرے کے عیب تلاش کرنا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں فرمادیا ”ولا تجسسوا“ دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگو۔ مومن کا کام یہ ہے کہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب دیکھے تو اس کو چھپائے۔ نہ یہ کہ کسی کے عیب کے پیچھے پڑے اور ٹوہ لگائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے کسی کی کوئی ایسی چیز دیکھ لی، جس کے ظاہر ہونے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا پھر اس کو چھپالیا تو اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ جیسے کسی نے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو زندہ کر دیا۔ (مسند احمد، ترمذی)

اسی طرح بدگمانی کرنا بھی حرام ہے۔ کسی کے بارے میں اگر کوئی بات سانسے آئی تو آدمی کو چاہئے کہ اس کے بارے میں اچھا گمان کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ. (بخاری و مسلم)

”گمان سے بچو کیونکہ گمان سب باتوں سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔“

بلاوجہ خیال کرنا کہ اس نے یہ کیا ہوگا، یہ بدگمانی ہے جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا: إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ.

”بعض گمان گناہ ہوتے ہیں“۔ لیکن ہمارے معاشرہ میں یہ دونوں گناہ عام ہیں کہ ہر شخص اپنی طرف سے دوسرے کے بارے میں ایک گمان قائم کر لیتا ہے جیسے اس نے اپنی آنکھوں سے اسے وہ کام کرتے دیکھا ہے۔ ذرا سی بات علم میں آگئی بس اس پر اپنی طرف سے مفروضوں (فرضی باتوں) کا محل تعمیر کرے گا۔ پھر ان مفروضوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرے گا کہ اس نے ایسا کیا ہوگا۔

ہمارے معاشرے میں گھریلو، نجی اور اجتماعی سطح پر جتنی بد مزگیاں، دلوں میں نفرتیں اور لڑائی جھگڑے رونما ہوتے ہیں، اس کی ایک اہم وجہ بغیر کسی تحقیق اور فریق ثانی کی گفتگو سے بغیر ایک رائے قائم کر لی جاتی ہے۔ نتیجتاً دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں اور نفرتیں پیدا ہوتی ہیں اور نوبت لڑائی جھگڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اور صحیح صورتحال واضح نہیں ہو پاتی۔ حالانکہ شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ بغیر تحقیق اور فریقین کا موقف سے بغیر کوئی رائے قائم نہ کی جائے۔

حضرت لقمان عليه السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ بیٹا! جب تم سے کوئی شخص آکر کسی کی شکایت کرے کہ فلاں نے میری دونوں آنکھیں نکال دیں اور واقعہ میں بھی اس کی دونوں آنکھیں نکلی

ہوئی ہوں تو اس وقت تک اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔
(درمنثور)

کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ ہر فریق دوسرے کی غیر موجودگی میں اپنی بات کو بڑھا چڑھا کر ہی پیش کرتا ہے۔ اس لئے شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے فریقین کا موقف سننے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کرنی چاہیے۔ اگر ہم اپنے معاملات و معاشرت میں اس تعلیم کو مد نظر رکھیں تو کتنی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔

(روزنامہ اسلام ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ)

اگر ہم لوگوں کو اپنے عیبوں کی فکر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے یہاں جا کر میرا کیا انجام ہونا ہے، آخرت میں میرا کیا حال ہوگا تو دوسروں کے عیوب کی طرف نظر نہیں پڑ سکتی۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم فرماتے ہیں:

تھے جب اپنے عیوب سے بے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ہمیں چاہیے کہ ایسے احوال اور ایسے مواقع سے بچیں جن کی وجہ سے دیکھنے والوں کو اور ساتھ رہنے والوں کو بدگمانی ہو سکتی ہو۔ اپنے اعمال، احوال، چال ڈھال اور اقوال میں ایسا انداز اختیار نہ کریں جس سے لوگوں کو بدگمانی کا شکار ہونا پڑے۔ کیونکہ لوگوں کی نظروں میں برا بن کر رہنا بھی کوئی اچھی بات نہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے بدگمانی کا علاج بیان فرمایا ہے کہ جب کسی سے بدگمانی پیدا ہو جس کا منشا (جڑ) کبر (تکبر) ہے تو اپنے عیوب کو پیش نظر کر لیا کرو۔ یعنی دوسرے کے بارے میں دل میں برا گمان آیا، دل میں خیال آیا، بدگمانی پیدا ہوگئی۔ اگرچہ وہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے گناہ نہیں لیکن اگر یہ غیر اختیاری بدگمانی بھی زیادہ دیر جی رہی ہوگی تو گناہ کے اندر مبتلا کر دے گی، یا دوسروں کے سامنے اس کا تذکرہ کروائے گی۔ اس لئے اس مرض کا اپنے شیخ و مربی سے خاص اہتمام کے ساتھ علاج کرانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جل

شانہ ہمیں صحیح طریقے سے اپنے مشائخ سے تمام روحانی امراض کا علاج کروانے کی توفیق عطا فرمادیں (آمین)۔

حق ﷺ ہم کو ان قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہماری زبانوں کو اور اعضاء و جوارح کو تمام گناہوں سے غیبت، بدگمانی اور تجسس کے گناہوں سے خصوصاً محفوظ فرمائے (آمین ثم آمین)۔

.....☆☆☆.....



غیبت اور بدگوئی سے بچو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَلَا يَغْتَبُ بَعْضُكُم بَعْضًا ط اِيْحَبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيِّتًا

فَكَرِهْتُمُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (المحجرات ۱۲، پ ۲۶)

”اور برانہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو، بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے

گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو، سوگھن آتا ہے تم کو اس سے“۔

یعنی مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے

بھائی کا گوشت نوج نوج کر کھائے۔ کیا اس کو کوئی انسان پسند کرے گا؟ بس سمجھ لو غیبت اس سے بھی

زیادہ شنیع حرکت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِيْحَبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيِّتًا

یہ غیبت کرنے کی قباحت کی پر زور تصویر کھینچی گئی ہے اور غیبت کرنے والا جو دوسرے کی آبرو

اور عزت برباد کرتا ہے، اس کو قبیح ترین شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں حضرت انس بن مالک ؓ کی روایت ہے کہ شب معراج کی حدیث میں رسول

ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لے جایا گیا تو میرا گزرا ایک ایسی قوم پر ہوا، جن کے ناخن تانبے کے تھے اور

وہ اپنے چہروں اور بدن کا گوشت نوج رہے ہیں، میں نے جبرئیل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے۔

(رواہ البخوی، از مظہری)

حضرت ابوسعید اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْغَيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا.

یعنی غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔

صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ یہ کیسے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ

کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں

ہوتا، جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد، از مظہری)

میمون کا بیان ہے (ایک روز) میں سو رہا تھا خواب میں ایک حبشی کی سرٹی ہوئی لاش میرے سامنے لائی گئی اور کسی نے مجھ سے کہا، اس کو کھا۔ میں نے کہا کہ کیوں کھاؤں؟ کہنے والے نے کہا تو نے فلاں شخص کے غلام کی غیبت کی تھی؟ میں نے کہا خدا کی قسم میں نے تو نہ اس کی اچھائی کا ذکر کیا اور نہ برائی کا۔ کہنے والے نے کہا، مگر تو نے اس کی برائی کا ذکر تو سنا تھا اور (دل سے) اس کو پسند کیا تھا (اس کے بعد) میمون کسی کی غیبت نہ خود کرتے تھے اور نہ کسی کو کسی کی غیبت اپنے سامنے کرنے دیتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

غیبت کے معنی ہیں کسی کی پٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا۔ خواہ اس کے اندر واقعی وہ برائی موجود ہو۔ اس لئے اگر یوں ہی کسی کے بارے میں ایسی بات کہہ دی جائے جو حقیقت اور واقع کے خلاف ہو تو اسے بہتان کہتے ہیں جو ایک شدید جرم ہے۔

غیبت یہ ہے کہ انسان بلا ضرورت کسی کی برائیاں اس کے پیٹھ پیچھے دوسروں سے کرتا پھرے۔ خصوصاً ایسی باتیں جو اس کے سامنے تو بیان نہ کرے لیکن اس کی عدم موجودگی میں دوسروں کے آگے ان کا چرچا کرے۔ یا یہ کہ یہی باتیں جو اس کی غیر موجودگی میں کی جا رہی ہیں اگر اس کی موجودگی میں ہوتیں تو اس کو ناگوار گزرتیں۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے بس پشت اس کی وہ برائیاں دوسروں سے نہ کہو جو تم اس کے سامنے بیان کرو تو اسے ناگوار گزرے۔

اللہ ﷻ نے غیبت کو کس قدر گھناؤنا جرم قرار دیا ہے کہ اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت نوح کرکھانے سے مشابہ بیان فرمایا ہے۔ کوئی سنگ دل سے سنگ دل انسان بھی پسند نہ کرے گا کہ وہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے اور پھر مرے ہوئے بھائی کا۔ کسی کے پیٹھ پیچھے کی برائیاں بیان کرنے سے اس کی بدنامی تو خوب ہو جاتی ہے۔ لیکن اصلاح ہرگز نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ آپس میں اختلاف اور دشمنی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی اپنی بدنامی برداشت نہیں کرتا۔ (اللہ کے احکام)

غیبت بڑے گناہوں میں سے ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں نیک و بد ہر آدمی میں یہ گناہ و بائی صورت میں ایسا پھیل گیا ہے کہ اس کی برائی اور گناہ ہونا ذہنوں سے نکل گیا ہے۔ مزے لے

لے کر دوسروں کی غیبت کرتے ہیں۔

غیبت اس قدر عام کیوں ہے؟

پہلی وجہ یہ ہے کہ اپنے عیوب ہمارے سامنے نہیں، گویا اپنی ایسی اصلاح ہو چکی ہے کہ فرشتے ہو گئے ہیں اور دوسرے سب برے ہی دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ خود کو بے عیب اور نیک سمجھنا مستقل گناہ ہے اور دوسرے کے عیب تلاش کرنا دوسرا گناہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اچھائیوں پر ہماری نظر نہیں جاتی۔ ہم سوچا کریں کہ اگر فلاں میں فلاں عیب ہے تو فلاں فلاں اچھائیاں بھی ہیں اور ہم میں اگر فلاں اچھائی ہے تو فلاں فلاں عیب بھی ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ جل جلالہ کے ہاں مقبول کون ہے؟ ممکن ہے کہ اس کے گناہ معاف ہو جائیں اور کسی نیکی کی برکت سے بخشش ہو جائے اور (خدا نخواستہ) ہماری نیکیاں بے کار ہو جائیں اور کسی گناہ پر پکڑ ہو جائے تو ہم میں سے کامیاب کون ہوا؟ اور ناکام کا کامیاب کی برائی کرنا ایسے ہے جیسے ناک کٹنا شخص ناک والوں پر طعن کرنے لگے کہ تم نکو ہو۔

غیبت کی حقیقت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے غیبت کی تعریف یہ فرمائی کہ تو اپنے بھائی کا ایسا تذکرہ کرے جس کو وہ ناپسند کرے تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر وہ عیب اس بھائی میں ہو تو؟ (فرمایا) اگر وہ عیب ہو جو تو بیان کرے، یہی تو غیبت ہے اگر غیبت نہ ہو تو پھر بہتان ہے (جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے)۔ (صحیح مسلم، ترمذی)

بعض آدمی یہ کہہ دیتے ہیں کہ جی ہم اس کے منہ پر بھی یہ بات کہنے کو تیار ہیں۔ یاد رکھئے منہ پر کہنا پیٹھ پیچھے کہنے سے زیادہ بے شرمی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمان ہے:

وَلِكُلِّ هَمْزَةٍ لَمْزَةٌ۔ (ہمزہ ۱۔)

”ہلاکت ہے ہر ہمزہ، لمزہ کے لئے۔“

”ہمزہ“ کسی کے پیٹھ پیچھے تذکرہ کرنے کو کہتے ہیں اور ”لمزہ“ آمنے سامنے کسی کو

طعنہ اور برا بھلا کہنے کو کہتے ہیں۔ (معارف القرآن)

اس میں دوسرے کی توہین زیادہ ہے اس وجہ سے اس کا عذاب بھی زیادہ سخت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ غیبت کرنے والا شخص جہنم میں موت اور ہلاکت کو پکارے گا اور اپنے گوشت کو کھائے گا، جہنمی اس سزا سے بہت تکلیف میں ہوں گے اور اس سے وجہ پوچھیں گے، تو بتائے گا کہ میں لوگوں کا گوشت کھاتا تھا۔ (ترغیب حدیث نمبر ۴۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو غیبت کرنے والے آدمیوں سے فرمایا اس مردار گدھے کا گوشت کھاؤ اور فرمایا تمہارا اپنے بھائی کی غیبت کرنا اس کو کھانے سے بھی زیادہ برا ہے۔ (صحیح ابن حبان)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آدمی کو جب اعمال نامہ ملے گا تو عرض کرے گا، یا اللہ! میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں وہ تو اعمال نامہ میں نہیں ہیں؟ اللہ عزوجل فرمائیں گے، تو نے لوگوں کی غیبت کی تھی جس کی وجہ سے وہ نیکیاں مٹا دی گئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو چھوٹی قد والی فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ (اگر یہ جسم والا ہوتا اور) اس کو دریا میں ڈالا جاتا تو دریا کے پانی کو بدبودار کر دیتا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی، ماخذ علم و عمل ریح الاول ۱۴۳۰ھ)

الغرض! اللہ عزوجل کو یہ پسند نہیں کہ کوئی کسی کی برائی کو پکار پکار کر کہتا پھرے۔ لیکن مظلوم کو حق ہے کہ وہ اپنے ظلم کی داستان کو لوگوں سے بیان کرے اور ظالم کے ظالمانہ کاموں کو آشکارا کرے۔ اللہ عزوجل سنتا ہے اور جانتا ہے، ظالم کو اس کے برے اعمال کی سزا دے گا۔

الندرب العزت ہمیں تمام گناہوں سے عموماً اور غیبت و بدگوئی سے خصوصاً محفوظ فرمائیں، اللہ تعالیٰ جل شانہ ہماری گذشتہ تقصیرات کو معاف فرمادیں اور اپنی رحمت سے ہماری توبہ قبول فرمادیں۔ (آمین)

بے حیائی اختیار نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ ۖ (پارہ ۸ سورہ انعام)

”اور پاس نہ جاؤ بے حیائی کے کام کے جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو“۔

”پاس نہ جاؤ“ سے شاید مراد ہو کہ ایسے کاموں کے مبادی و وسائل سے بھی بچنا چاہئے۔ مثلاً

زنا کی طرح نظر بد سے بھی اجتناب لازم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ سے زیادہ غیور

کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اس نے سارے ظاہر و باطن فواحش حرام کر دیئے ہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جو اچھی عادتیں ہیں۔ ان کا حکم قرآن نے دیا ہے اور

جو بری خصالتیں لوگوں میں ہیں، ان سے اللہ جل جلالہ نے روک دیا ہے۔ بد خلقی اور برائی سے ممانعت

کردی ہے، حدیث میں ہے کہ بہترین اخلاق اللہ کو پسند ہیں اور بد خلقی کو وہ مکروہ رکھتا ہے۔

تہذیب و شرافت اور اخلاقی درستی و نادرستی کا بہت حد تک انحصار انسان کی حیا پر ہے۔ اس

لئے کہ جس انسان کے دل میں حیا ہوتی ہے، وہ ہر برائی اور بد اخلاقی سے بچتا ہے۔ اس سے اگر کوئی

غلطی ہو بھی جائے تو وہ اس سے لجاتا اور شرماتا ہے اور اگر خدا نخواستہ انسان بے حیا ہو جائے تو پھر اس

کے لئے گناہ کوئی گناہ نہیں رہتا اور وہ کسی برائی کو برائی نہیں سمجھتا۔ اس صورت میں تو بہ کرنے اور گناہ

سے باز رہنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واضح ارشاد ہے:

الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ.

”حیا ایمان کا ایک حصہ ہے“۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب حیاباتی نہ رہے تو

جو چاہے کرتے پھرو“۔ حیا کے معنی ہیں گناہ اور برائی سے دل میں نفرت کا پیدا ہونا جس کا اظہار

ندامت و شرمندگی سے ہوتا ہے۔ جب دل میں شرمساری ہوتی ہے تو نگاہیں بھی شرمندگی سے جھک

جاتی ہیں، چہرہ پر بھی اس کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس بے حیا انسان بالکل ڈھیٹ بن

جاتا ہے، اس پر کسی لعن طعن، ڈانٹ ڈپٹ اور فہمائش کا اثر نہیں ہوتا۔ پھر ایسے انسان کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟

مختصر یہ کہ غیرت، شرافت اور اخلاقی برتری کا دار و مدار حیا پر ہے لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اچھی باتوں اور نیکی کے کاموں سے ہچکچانا نہیں چاہیے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی ہلاکت کا فیصلہ فرماتے ہیں تو (سب سے پہلے) اس سے شرم و حیا چھین لیتے ہیں اور جب اس سے حیا جاتی رہتی تو تم (اس کی بے حیائیوں کی وجہ سے) اسے شدید مغضوب اور قابل نفرت پاؤ گے۔ اور جب اس سے امانت چھن جائے تو تم (اس کی بددیوانگی کی وجہ سے) اسے برا خان اور دھوکے باز پاؤ گے اور جب اس کی حالت یہاں تک پہنچ جائے تو اس سے رحمت بھی چھین لی جاتی ہے اور جب رحمت چھن جائے تو تم اسے (بے رحمی کی وجہ سے) مردود و ملعون پاؤ گے اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جائے تو اس سے اسلام کا پٹہ نکال لیا جاتا ہے (اور اسے اسلام سے عار آنے لگتی ہے) معاذ اللہ! (ابن ماجہ، باب ذہاب الامانۃ ص ۲۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگوں پر ایک دور آئے گا، جس میں آدمی کا اہم مقصد شکم پروری بن جائے گا اور خواہش پرستی اس کا دین ہوگا۔

(کتاب الرقاق لابن المبارک ص ۳۱۷)

ایک حدیث میں ہے لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا، جس میں آدمی کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو احق کہلائے یا بدکاری کو اختیار کرے۔ پس جو شخص یہ زمانہ پائے اسے چاہیے کہ بدکاری اختیار کرنے کی بجائے ”کفو“ کہلانے کو پسند کرے۔ (کنز العمال ص ۲۱۸ جلد ۱۴)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم و حیا کی وجہ سے اسلام لایا تھا۔ اسلام نے میرے دل میں جگہ نہیں پکڑی لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۗ (النحل ۹۰)

”(مسلمانو! اللہ انصاف اور احسان کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحشاء

اور منکر اور نبی سے منع فرماتا ہے تم لوگوں کو نصیحتیں کرتا ہے تاکہ تم خیال رکھو۔

تو ایمان نے میرے دل میں جگہ پکڑ لی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جن اخلاق حسنہ پر عمل کیا جاتا تھا اور وہ پسند کئے جاتے تھے۔ ان میں کوئی خلق ایسا نہیں ہے جس کا اللہ ﷻ نے اس آیت میں حکم نہ دیا ہو اور کوئی بد اخلاقی ایسی نہیں ہے جس کی اس آیت میں ممانعت نہ کی ہو۔ اس آیت میں منہیات کے سلسلہ میں تین لفظ آئے ہیں، فحشاء اور منکر اور بغی۔

ان میں پہلا لفظ فحشاء ہے جس کی دوسری صورت فاحشہ کی ہے۔ یہ لفظ فحش سے نکلا ہے جس کے اصلی معنی حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں اور اس کے دوسرے لازمی معنی قبیح یعنی برائی کے ہیں۔ کیونکہ جس چیز کی جو حد خالق فطرت نے مقرر کر دی ہے، اس سے آگے بڑھنا برائی ہے۔ جو برائی حد سے زیادہ ہو جائے وہی فحشاء کہلاتی ہے۔

دوسرا لفظ منکر ہے اس کے لغوی معنی ناشناسا کے ہیں۔ مطلب یہ کہ جو کام لوگوں میں عام طور پر پسند کیا جاتا ہے اور جس کا کرنے والا لوگوں میں ممدوح ہوتا ہے وہ تو جانا پہچانا کام ہے۔ اور جو کام ہر طبقہ میں ناپسند کیا جاتا ہے اور اس کا کرنے والا سب کی نگاہ میں گر جاتا ہے وہ منکر (ناشناسا) ہے۔

تیسرا لفظ بغی ہے، جس کے لفظی معنی کسی پر زیادتی یا دست درازی کرنا ہیں۔ یعنی کسی بد اخلاقی میں تو ان تینوں کا اجتماع ہو سکتا ہے مگر کوئی بد اخلاقی ان تینوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں رہ سکتی۔ یعنی ہر بد اخلاقی میں تینوں کا یا تینوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔

بہر کیف! اس آیت میں بھی رذائل کو تین لفظوں میں منحصر کیا ہے ایک فواحش یعنی برائی اور بے حیائی کے سارے کام جو کھلے ہوں یا چھپے، دوسرے گناہ کے کام، اور تیسرے ناحق زیادتی۔ ان اخلاق ذمیرہ جن کو ہر مذہب اور ہر انسانی معاشرت نے یکساں برا کہا ہے۔ درحقیقت یہ بے حیائی اور برائی کے وہ کام ہیں اور دین و شرافت کی نگاہ میں گناہ اور ناپسندیدہ ہیں اور اگر ان کو جائز ٹھہرایا جائے تو افراد کے باہمی حقوق سے ایمان اٹھ جائے اور کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو سلامت نہ رہے۔

(سیرۃ النبی ﷺ جلد ششم، استفادہ ص ۳۰۷، ۳۰۶)

جب سے مسلمانوں نے اللہ ورسول کے ان ارشادات کو نظر انداز کیا ہے، ہمارے معاشرے میں بدکلامی، اور بدکاری کے جا بجا ڈے کھل چکے ہیں۔ فحش کاری کرنے والوں، رقص گاہوں، کلبوں اور سینما گھروں کی ریل پیل ہو چکی ہے۔ جس کے نتیجے میں شہوت کا بازار گرم ہوا، مفسد بڑھ گئے، مال و دولت برباد ہوا، جرائم کی کثرت ہوئی، طرح طرح کی بیماریاں پھیلیں، قومی کمزور ہوئے، پیداوار گھٹ گئی اور پھر سماج کی وہ بنیادیں ہل گئیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوئی تھی۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ لَافِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ ط وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (النور)

یقیناً جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے اندر بے حیائی عام ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہوگا، اور اللہ ﷻ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

(معاشرہ کی مہلک بیماریاں ص ۶۷۶)

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں فواحش کے اصل مفہوم کے اعتبار سے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو اور مشہور عام مفہوم کے اعتبار سے بدکاری و بے حیائی کے جتنے طریقے کھلے یا چھپے ہوئے ہیں ان سب میں شامل ہیں اور حکم اس میں یہ دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کے پاس بھی نہ جاؤ۔ یکسر نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ ایسی مجلسوں اور ایسے مقامات سے بھی بچو جن سے ان گناہوں کا راستہ نکلتا ہو۔ حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ حَامَ حَوْلَ حِمَى أَوْ شَكَ أَنْ يُفَعَّ فِيهِ .

یعنی جو شخص کسی ممنوع جگہ کے گرد گھومتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے اس لئے احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ جس جگہ کا داخلہ ممنوع ہے اس جگہ کے ارد گرد بھی نہ پھرے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

نگاہیں نیچی رکھو اور نظر بازی سے بچو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
 قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُونَ فُرُوجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى
 لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۡ ۝۲ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ (سورہ النور آیت ۳۰)

”ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اس میں ان کے لئے پاکیزگی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو خبر ہے، اس کی جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

اس آیت میں مؤمنین کو ادب سکھایا گیا ہے کہ جن چیزوں کا دیکھنا ان کے لئے جائز نہیں ان سے اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ بندوں کو یہی زیب دیتا ہے کہ اپنے آقا کی پیروی کریں۔ پس جس کی نگاہ قابو میں نہیں، اس کی شرم گاہ قابو میں نہیں۔ اسمیں تشبیہ بھی ہے پروردگار عالم کی طرف سے کہ اگر بندوں نے اس کی ہدایت کی پرواہ نہ کی تو یاد رکھیں کہ اللہ رب العزت غافل نہیں، وہ ان کی تمام کارروائیوں سے واقف ہے۔ وہ نافرمانوں سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اسلام نے مردوں کو وا شکاف الفاظ میں اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے تو عورتوں کو بھی فراموش نہیں کیا۔ چونکہ مرد و عورت دونوں کا خمیر ایک ہی ہے لہذا عورت کی فطرت میں شہوت رکھی گئی ہے۔ ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ

”ایمان والیوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔“

ان دونوں آیات کا لب و لہجہ اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ آنکھوں کی بے باکی شہوت میں انتشار اور شرم گاہ میں ابھار پیدا کرتی ہے۔ ایسی حالت میں انسانی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ شہوت کھلی آنکھوں کے باوجود انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔ انسان گناہ کا ارتکاب کر کے ذلت و رسوائی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ شہوت کے معاملہ میں جو حال مردوں کا ہے کم و بیش وہی حال عورتوں کا ہے۔ عورتیں عموماً جذباتی ہوتی ہیں، جلد متاثر ہو جاتی ہیں ان کی نگاہیں میلی ہو جائیں تو زیادہ فتنے جگاتی ہیں۔ لہذا

انہیں بھی چاہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پھر تو آنکھ کی ضرور حفاظت کر اللہ ﷻ تجھے اور ہمیں تو فیق عطا فرمائے کیونکہ یہ ہر فتنے اور آفت کا سبب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا فتنہ نہایت مہلک ہے اور اکثر فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

غَضُّوا أَبْصَارَكُمْ وَاحْفَظُوا قُرُوبَكُمْ .

”اپنی نگاہوں کو پست رکھو اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو۔“ (الجواب الکانی ۲۰۴)

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرم گاہ اور شہوت کی جگہ کی حفاظت ہے۔ جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ نظر ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے۔

(الجواب الکانی ۲۰۴)

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

النَّظْرَةُ سَهْمٌ مَّسْمُومٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ

”نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔“

(الجواب الکانی ۲۰۴ بحوالہ حفاظت نظر کے آسان طریقے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ دونوں

آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرم گاہ زنا کرتی ہے۔

(الترغیب والترہیب ص ۳۶ جلد ۱۳ از احمد)

دوسری حدیث میں ہے کہ آنکھوں کا دیکھنا زنا ہے اور زبان کا بولنا زنا ہے، کانوں

کا سننا زنا ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا۔ اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو رکھتا ہے اور شرم کی جگہ

اس خواہش کو سچی یا جھوٹی کر دیتی ہے۔ (یعنی موقع لگ گیا تو اصل گناہ ہو جاتا ہے ورنہ رہ جاتا

ہے) لیکن دوسرے اعضا کا زنا جو ہوا اس کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ نفسانی خواہش سے جو نظر ڈالی

جائے، جو بات سنی جائے، یا جو بات کی جائے اور جو چھوا جائے اور جو بری جگہ چل کر جایا

(تحفۃ المسلمین ج ۲۷)

جائے یہ سب اعضاء کا زنا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر محرم کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا فساد کا بیج ہے، شیطان غیر محرم کے چہروں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ ویسے بھی دور سے ہر چیز بھلی نظر آتی ہے، اس لئے تو مثل مشہور ہے کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ بد نظری کرنے سے انسان کے دل میں گناہ کا تخم پڑ جاتا ہے جو موقع ملنے پر اپنی بہار دکھاتا ہے۔ قابیل نے ہابیل کی بیوی کے حسن و جمال پر نظر ڈالی تو دل و دماغ پر ایسا بھوت سوار ہوا کہ اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ دنیا میں سب سے پہلی نافرمانی کا مرتکب ہوا۔

انسان زنا کا مرتکب تب ہوتا ہے جب انسان غیر محرم کو دیکھتا ہے۔ بد نظری کرتا ہے، اگر دیکھے گا ہی نہیں تو ارادہ ہی نہیں ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ نظر بازی زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ دنیا کا سب سے لمبا سفر ایک قدم اٹھانے سے شروع ہوتا ہے، اسی طرح زنا کا سفر بد نظری، نظر بازی کرنے سے شروع ہوتا ہے۔ مومن کو چاہئے کہ پہلی سیڑھی چڑھنے سے پرہیز کرے۔ زنا کے عمل سے بہت سے لوگ بچ جاتے ہیں۔ چونکہ اس کے لئے بڑے اہتمام کرنے پڑتے ہیں۔ اول تو جس سے زنا کرنا چاہے وہ راضی ہو، دوسرا مناسب موقع و محل میسر ہو، تیسرا تنہائی بھی ہو ورنہ تو ڈر لگا رہتا ہے کہ اگر کسی کو اطلاع ہوگئی تو عزت خاک میں مل جائے گی۔ اس لئے شائستہ اور معزز لوگ اس میں کم مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر پیشہ ور عورتوں سے زنا کرنا چاہے تو مال پیسہ پانی کی طرح بہانا پڑتا ہے، مزید برآں ایڈز، آتشک، سوزاک جیسی موذی بیماریوں کا ڈر لگا رہتا ہے۔ بخلاف بد نظری والے گناہ کے کہ اس میں سامان کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، نہ اس میں بدنامی کا ڈر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی خبر تو اللہ ﷻ کو ہے کہ نیت کیسی ہے۔ وہ بوڑھے جو عملی طور پر جماع کی قدرت ہی نہیں رکھتے وہ بھی بد نظری کے گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان میں گناہ کی حسرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ بقول شاعر کے:

جوانی سے زیادہ وقت پیری ہوٹا ہے

بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”بد نظری نہایت ہی مہلک

مرض ہے ایک تجربہ تو میرا بھی اپنے بہت سے احباب پر ہے کہ ذکر کے شغل کی ابتداء میں لذت و خوشی کی کیفیت ہوتی ہے۔ مگر بد نظری کی وجہ سے عبادت کی حلاوت اور لذت فنا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ عبادت کے چھوٹنے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ (آپ بقی)

حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ غیر محرم عورتوں کی طرف یا نوعمر لڑکوں کی طرف شہوت کی نظر ڈالنے سے قوت حافظہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کی تصدیق کے لئے یہ ثبوت کافی ہے کہ بد نظری کرنے والے حفاظ کو منزل یا دُنہیں رہتی اور جو طلبہ حفظ کر رہے ہوں ان کے لئے سبق یاد کرنا مصیبت ہوتا ہے۔

نظر بازی کے بد اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کی زندگی میں رزق میں سے اور وقت میں سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے کام بڑے بڑے مسئلے بن جاتے ہیں۔ جس کام میں بھی انسان کوشش کرے وہ ادھورا رہ جاتا ہے۔ ظاہر میں لگتا ہے کہ کام ہو جائے گا، مگر عین وقت پر ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے اور پریشانی و پشیمانی کا سبب بنتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے حالانکہ وہ اپنے نفس کی خیانت کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے، وہ سونا بن جاتی تھی۔ اب تو سونے کو ہاتھ لگاؤ تو وہ بھی مٹی بن جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بد نظری، نظر بازی کی وجہ سے انسان کی زندگی سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔

نظر بازی کے نقصانات :-

☆..... مثلاً کمزور ہو جاتا ہے جس سے پیشاب کے قطرے یا مڈی کے قطرے آتے رہتے ہیں اور وضو اور نماز میں مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز نظر بازی کے مریضوں کو اکثر جریان کی شکایت ہو جاتی ہے کیونکہ خیالات کی گندگی اور بدنگاہی سے منی پتلی ہو کر پیشاب کے ساتھ یا اکثر احتلام کی صورت میں ضائع ہونے لگتی ہے۔ جس سے دماغ کا کمزور ہو جانا اور گھبرانا، کمر میں درد، پنڈلی میں درد، سر میں چکر، آنکھ کے سامنے اندھیرا آنے لگتا ہے، سبق نہ یاد ہونا یا یاد ہو کر جلدی بھول جانا۔

☆..... بدنگاہی کرنے والا احرام فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔

☆..... بد نگاہی کرنے والا اللہ جل جلالہ کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔

☆..... بد نگاہی کرنے والے پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

☆..... نظر بازی سے دل میں ناشکری پیدا ہوتی ہے۔

☆..... نظر بازی سے بینائی کمزور ہوتی ہے کیونکہ آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ نظر بازی سے بچا جائے۔

☆..... بد نظری کرنے والے سے سکون قلب چھین لیا جاتا ہے۔ (استفادہ حفاظت نظر کے

آسان طریقے)

اور نگاہیں نیچی رکھنے سے دل میں نور اور آنکھوں میں سرور پیدا ہوتا ہے اور چہرہ اور اعضاء پر

تازگی نظر آتی ہے۔ اور جب دل میں نور ہوگا تو فراست بھی راست اور درست ہوگی، اور نیچی

نگاہوں سے دل صیقل کئے ہوئے آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہوگا۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی نگاہیں

نیچی رکھنے کی توفیق دیں اور نظر بازی سے محفوظ رکھیں۔ (آمین ثم آمین)

☆ ☆ ☆.....

شہید لائبریری

موہڑہ کورچشم (چکوال)
پاکستان

Mohra Kor Chasham (Chakwal) Pakistan

زنا کے قریب بھی نہ جاؤ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (بنی اسرائیل آیت ۳۲)
”اور پاس نہ جاؤ زنا کے، وہ ہے بے حیائی اور بری راہ۔“

یعنی زنا کرنا تو بڑی سخت چیز ہے، اس کے پاس بھی مت جاؤ۔ گویا ”لَا تَقْرَبُوا“ میں مبادی زنا سے بچنے کی ہدایت کر دی گئی ہے، مثلاً اجنبی عورت کی طرف بدون عذر شرعی نظر کرنا یا بوس و کنار وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

کیونکہ زنا سے انسان میں گڑبڑ ہوتی ہے اور بہت طرح کی لڑائیاں اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں اور سب کے لئے بری راہ نکلتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”یعنی اگر یہ راہ نکلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے گا، کوئی دوسرا اس کی عورت پر نظر کرے گا۔“
(گلدستہ تقاسیر جلد ۴)

اس آیت میں زنا کے حرام ہونے کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ وہ بے حیائی ہے اور انسان میں حیاء نہ رہی تو وہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے کسی بھی برے کام کا امتیاز نہیں رہتا۔ اس معنی کے لئے حدیث پاک میں ارشاد ہے:
”إِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَأَفْعَلْ مَا شِئْتَ“

یعنی جب تیری حیاء ہی جاتی رہی تو کسی برائی سے رکاوٹ کا کوئی پردہ نہ رہا تو جو چاہو گے کرو گے اور اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حیا کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا ہے۔

”والحیاء شعبۃ من الایمان.“ (بخاری)

دوسری وجہ معاشرتی فساد ہے جو زنا کی وجہ سے اتنا پھیلتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے نتائج بد بعض اوقات پورے قبیلوں اور قوموں کو برباد کر دیتے ہیں۔ فتنے، چوری، ڈاکہ، قتل کی جتنی کثرت آج دنیا میں بڑھ گئی ہے، ان حالات کی تحقیق کی جائے تو آدھے سے زیادہ واقعات کا سبب کوئی عورت و مرد نکلتے ہیں۔ جو اس جرم کے مرتکب ہوئے۔ اس جرم کا تعلق اگرچہ بلا واسطہ حقوق

العباد سے نہیں مگر اس جگہ حقوق العباد سے متعلقہ احکام کے ضمن میں اس کا ذکر کرنا شاید اسی بناء پر ہو کہ یہ جرم بہت سے ایسے جرائم ساتھ لاتا ہے جس سے حقوق العباد متاثر ہوتے ہیں۔ اور قتل و عارت گری کے ہنگامے برپا ہوتے ہیں۔ اسی لئے اسلام نے اس جرم کو تمام جرائم سے اشد قرار دیا ہے۔ اس کی سزا بھی سارے جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت رکھی ہے، کیونکہ یہ ایک جرم دوسرے سینکڑوں جرائم کو اپنے میں سمونے ہوئے ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابن ابی الدینا میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، شرک کے بعد کوئی گناہ زنا کاری سے بڑھ کر نہیں کہ آدمی اپنا نطفہ کسی ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب کسی آبادی میں زنا اور سود خوری کا رواج ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنی جانوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل کر لیا۔ (الترغیب والترہیب ج ۳، ص ۲۷۸ عن مستدرک الحاکم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے زنا کیا اور شراب پی، اللہ تعالیٰ جل شانہ اس سے ایمان کو اس طرح نکال دے گا جیسا کہ انسان اپنے سر سے کرتے کو نکال دیتا ہے۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۷۳، ج ۳۔ مستدرک)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص کسی ایسی عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر موجود نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ قیامت کے دن اس پر ایک اڑدھا مسلط فرمادے گا (الترغیب والترہیب ص ۲۷۹، ج ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کے پیچھے والے حصہ میں شہوت پوری کرے (مشکوٰۃ ص ۱۲۷۶ از احمد و ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ ﷻ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر سے نہ دیکھے گا جس نے کسی مرد یا کسی عورت سے پیچھے کے راستے سے شہوت پوری کی۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۷۹، جلد ۳ از ترمذی و نسائی)

اپنی بیوی یا کسی لڑکے یا کسی مرد سے اغلام کرنا سخت حرام ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ

ﷺ نے اس شخص کو تین بار ملعون قرار دیا جو لوط علیہ السلام کی قوم والا کام کرے۔

(الترغیب ص ۲۸۶ جلد ۳)

ایک مرتبہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زنا کی اجازت طلب کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی خواہش پر بے حد غصہ آیا مگر قربان جائیں نبی پاک ﷺ کی ذات بابرکات پر کہ آپ ﷺ نے نہ مارا، نہ غصے ہوئے بلکہ اس کو اپنے قریب بلایا اور پھر سوال کیا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تیری والدہ کے ساتھ ایسا کیا جائے؟ تو اس آدمی نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں کیا، کوئی بھی ایسا نہیں چاہتا۔ پھر اسی طرح خالہ، پھوپھی اور بہن وغیرہ کے بارے میں سوال کیا، اس نے نفی میں جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ واقعہ کے نقل کرنے والے فرماتے ہیں کہ پھر اس آدمی کے نزدیک زنا سے زیادہ کوئی چیز ناپسندیدہ نہ تھی۔ (علم و عمل لاہور)

اللہ جل جلالہ سے شرم و حیا کا اہم تقاضا یہ ہے کہ اپنے بدن کو جہنم کی ہولناک آگ سے بچانے کے لئے انسان اپنی شرمگاہ کی ناجائز اور حرام جگہوں سے پوری طرح حفاظت کرے اور جائز عمل کے علاوہ شہوت پوری نہ کرے۔ زنا تو دور کی بات ہے، زنا کے قریب بھی نہ جائے۔ کیونکہ یہ ایسی نحوست ہے، جس سے معاشرتی نظام تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور گھر گھر میں فتنہ و فساد اور خون خرابہ کی نوبت آ جاتی ہے، حتیٰ کہ نسلیں تک مشتبہ ہو جاتی ہیں۔

اس لئے اسلام نے زنا کی ایسی سخت سزا مقرر کی ہے جس کے تصور سے ہی رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی زنا کے ثبوت کے بعد (اگر اسلامی حکومت ہو) کنوارے کو سو کوڑے اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے۔ (تذکرہ دارالعلوم ص ۱۱)

آج ہم خود غور کریں کہ مغربی اور مشرقی معاشرہ کی بے حیائیوں اور بدکاریوں سے کتنے خطرناک اور لاعلاج بدترین امراض ہمارے معاشرہ میں جنم لے چکے ہیں، جن کا نام بھی کبھی نہ سنا تھا۔ آج اسی بے حیائی کی وجہ سے معاشرہ اپنے ہر کام میں اغیار کا محتاج بن چکا ہے۔ اسی طرح ہمارے معاشرے کے بگاڑ میں بنیادی وجہ اخلاقی اقدار کا پامال ہو جانا ہے۔ ہم اخلاق کی جن پستیوں میں بھٹک رہے ہیں، یہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے۔ جب ہم ایک نگاہ اٹھاتے ہیں تو

کتنی ہی برائیاں نظر کے سامنے گھوم جاتی ہیں۔ اکثر لوگ ان برائیوں کو معمولی سمجھتے ہیں اور اگر کسی کے دل میں اصلاح کا جذبہ پیدا ہو ہی جائے تو اس کا تنبیہ کا انداز ایسا غلط، ناشائستہ اور حکمت سے خالی ہوتا ہے کہ گناہ کے مرتکب پر اس کے یہ ترش الفاظ بجلی بن کر مخاطب کے سیدھے دل پر گرتے ہیں۔ جو مزید بگاڑ کا سبب بنتے ہیں اور بعض دفعہ معمولی لغزش کی بنا پر الفاظ کی سنگ باری کر کے ہم اپنی بے حسی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ہماری زبان سے تو سخت الفاظ ادا ہو جاتے ہیں، مگر ہمیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ مخاطب کے دل پر یہ کیسے ناگوار گزر رہے ہوں گے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ دشت (صحرا) اور چھاؤں کا سنگم (ملاپ) وہی جان سکتا ہے جو تپتے ہوئے صحراؤں میں بھٹکا ہو۔ اشک اور نالوں کا تعلق اسی کو معلوم ہوگا، جس نے کبھی آنسو بہائے ہوں اور چھین کسے کہتے ہیں؟ اس کا جواب خاردار راہوں سے گذرنے والا ہی دے سکتا ہے۔ زخم اور جلن کا ملاپ کیسے ہو سکتا ہے، کوئی زخم خوردہ ہی بیان کر سکتا ہے، جب کڑوے کیلے الفاظ کسی دل نازک کو چکنا چور کرتے ہیں تو صاحب دل ہی اس غم کو جان سکتا ہے، حق بات کا مدعی تو اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہے۔

اللہ ﷻ ہمیں حق بات حکمت بھرے الفاظ اور پراثر انداز میں کہنے کی توفیق دے اور اللہ رب العزت ہمیں نبی کریم ﷺ کے اخلاق حمیدہ سے نواز دے اور اخلاق رذیلہ سے بچا کر اللہ پاک مسلمان قوم میں حیا پیدا فرما کر ہر طرح کی بے حیائی اور بدکاری سے محفوظ فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

.....☆☆☆.....

کسی کو ناحق قتل نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ط (بنی اسرائیل آیت ۳۳)

”اور نہ مارو اس جان کو جس کو منع کر دیا ہے اللہ ﷻ نے مگر حق پر۔“

صحیحین میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین صورتوں میں۔ جان کے بدلے جان یا زانی یا جو شخص دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ (یعنی مرتد) ہو جائے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ط

”اور جس شخص کے قتل کو اللہ ﷻ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر۔“

کسی انسان کا دوسرے انسان کے ہاتھوں مارا جانا اسلامی شریعت نے حرام کر دیا ہے۔ سوائے اس صورت میں کہ کسی جرم کی سزا میں اسلامی حکومت کی طرف سے سزائے قتل دی جائے جس کی وضاحت اس آیت میں کر دی گئی ہے:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ط

”اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ

فرما دیا ”اسے چاہیے کہ قتل کے بدلہ میں زیادتی نہ کرے“ (النساء)

آیت مذکورہ میں بتلایا گیا ہے کہ یہ حق مقتول کے ولی کا ہے اگر نسبى ولی کوئی موجود نہیں تو اسلامی حکومت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بھی ایک حیثیت سے سب مسلمانوں کا ولی ہے۔

(گلدستہ تفاسیر جلد ۴)

یعنی اولیائے مقتول کو اختیار ہے کہ حکومت سے کہہ کر خون کا بدلہ لے لیکن بدلہ لیتے وقت حد سے نہ گزریں۔ مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل کو سزا دلوانے لگیں، یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو بھی شامل کر لیں۔ یا قاتل کے ناک، کان وغیرہ کاٹنے اور مثلہ کرنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک مسلمان کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان کا قتل اسلام میں تصور سے باہر ہے۔

اسلامی شریعت نے ایک مسلمان کی جان، مال اور آبرو کو ہر چیز سے زیادہ واجب الاحترام

قرار دیا ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کی سزا شدید ترین مقرر کی ہے۔ حضور رحمت عالم ﷺ (فداہ ابی و امی) نے فرمایا: جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اس حد تک احتیاط واجب قرار دی کہ کسی مسلمان کی طرف کسی تیز دھارا آلہ سے اشارہ بھی نہ کرو۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان شہادت دیتا ہو کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا خون جائز نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے۔ یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو یا کسی کے قتل میں اس کو قتل کر دیا جائے یا دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو گیا ہو۔ (رواہ الشیخان وابوداؤد، والترمذی، ونسائی)

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ساری دنیا کی تباہی اللہ ﷻ کے نزدیک اس سے اہون (ہلکی) ہے کہ کسی مومن کو ناحق قتل کیا جائے۔ بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر اللہ کے ساتوں زمینوں اور آسمانوں کے باشندے کسی مومن کے ناحق قتل میں شریک ہو جائیں تو ان سب کو اللہ ﷻ جہنم میں داخل کر دیں گے۔ (ابن ماجہ)

حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہر گناہ کے بارے میں امید ہے کہ اللہ ﷻ عاف فرمادے گا سوائے اس شخص کے جو مشرک ہونے کی حالت میں مرے یا وہ شخص جو کسی مومن کو قصداً قتل کر دے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۱ از ابوداؤد، نسائی)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آسمان وزمین والے سب مل کر کسی مومن کے خون میں شریک ہوں (یعنی اسے قتل کر دیں) تو ضرور اللہ ﷻ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈالے گا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۰ از ترمذی)

جاہلیت عرب میں یہ بات عام تھی کہ ایک شخص قتل ہوا تو اس کے بدلے میں قاتل کے خاندان یا ساتھیوں میں سے جو بھی ہاتھ لگے اس کو قتل کر دیتے تھے۔ بعض جگہ یہ صورت ہوتی کہ جس کو قتل کیا گیا وہ قوم کا بڑا آدمی ہے تو اس کے بدلے میں صرف ایک قاتل کو قصاصاً قتل کرنا کافی نہ سمجھا جاتا

تھا۔ بلکہ ایک خون کے بدلہ میں دو یا تین یا اس سے زیادہ آدمیوں کی جان لی جاتی تھی۔ بعض لوگ جوش انتقام میں قاتل کے صرف قتل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی ناک اور کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ کر دیتے تھے۔ یہ سب چیزیں اسلامی قصاص کی حد سے زائد اور حرام ہیں۔ اس لئے آیت ” فَلَا يُسْرِفَ فِي الْقَتْلِ ط “ میں ان کو روکا گیا ہے۔

بعض ائمہ مجتہدین کے سامنے کسی شخص نے حجاج بن یوسف پر کوئی الزام لگایا۔ حجاج بن یوسف اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا ظالم اور انتہائی بدنام شخص تھا۔ جس نے ہزاروں صحابہ و تابعین کو ناحق قتل کیا ہے، اس لئے عام طور پر اس کو برا کہنے کی برائی لوگوں کے ذہن میں نہیں رہتی۔ جس بزرگ کے سامنے یہ الزام حجاج بن یوسف پر لگایا گیا، انہوں نے الزام لگانے والے سے پوچھا کہ تمہارے الزام کی کوئی سند یا شہادت موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ ﷻ حجاج بن یوسف ظالم سے ہزاروں مقتولین بے گناہ کا انتقام لے گا تو یاد رکھو کہ جو شخص حجاج پر ظلم کرتا ہے اس کو بھی انتقام کے بغیر نہیں چھوڑا جائے گا۔ حجاج کا بدلہ اللہ ﷻ اس سے بھی لیں گے۔ اللہ ﷻ کی عدالت میں کوئی جنبہ داری (یعنی کسی کی طرف داری) نہیں کہ برے اور گناہ گار بندوں پر دوسروں کو آزاد چھوڑ دیں اور جو چاہیں الزام و اتہام لگا دیا کریں۔

(معارف القرآن مفتی اعظم)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مومن کے ناحق قتل کے مقابلہ میں دنیا کی تباہی اللہ ﷻ کے لئے گوارا ہے۔ (ابن ماجہ باسناد حسن)

کیونکہ قاتل نے سب سے پہلا جرم خود اپنے خلاف کیا اور اپنے آپ کو ایک بدترین قتل کے بدلہ میں قصاص کا مستوجب بنایا اور آخرت کے دردناک عذاب کا مستحق ٹھہرایا۔ دوسرے اپنے خاندان اور گھر والوں پر ظلم کیا جو اس سے ہاتھ دھو بیٹھے اور محروم رہے۔ تیسرا ظلم اس شخص نے مقتول کے اوپر کیا کہ اسے صفحہ ہستی سے مٹا کر اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اس کے بچوں کو یتیم کیا، اس کی بیویوں کا سہاگ اجاڑ دیا، ان کے اوپر رنج و الم کا پہاڑ توڑا۔ انہیں خون کے گھونٹ پینے پر مجبور کیا۔ بچوں کے دلوں پر اپنے شفیق باپ کی جدائی کا داغ دیا، بھائیوں کو بھائی کی جدائی کا درد دیا، باپ کو اپنی

چیتتی اولاد سے محروم کیا اور معاشرہ میں ایسے گناہ کا داغ بٹھا دیا جو رہتی دنیا تک سدایا دگا رہے گا۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی قاتل قصاص سے چھوٹ گیا اور اس سے قتل کا بدلہ نہ لیا گیا تو بھاری معصیت ہوگی اور اس کے نتیجے میں بہت بڑا فساد رونما ہوگا۔ کیونکہ مقتولین کے وارثین اور اس کی اولاد خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور قاتل جہاں کہیں بھی ہوگا، اسے گھیر کر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور اگر خاندانی عصیبت اور قدیم جہالت نے سرا بھارا تو اس کا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ اس قتل کا بدلہ قاتل کے بے گناہ رشتہ داروں سے لیا جائے گا۔ وہ اس کا بدلہ اس کے رشتہ داروں سے لیں گے اور اس طرح لاشوں پہ لاشیں گریں گی، خون کی ندیاں بہیں گی اور محض ایک مجرم کی مذموم حرکت اور اس سے بھاری گناہ کی پاداش میں فریقین کے درمیان قتل و غارت کا بازار گرم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل و سفاکی کا رشتہ شرک اور سحر جیسے کبیرہ گناہوں سے جوڑا۔

غرض ڈر اور خوف پر مبنی ان آیتوں، متعدد روایتوں اور مسلم اور غیر مسلم دانشوروں کے متفقہ فیصلوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نافع خون ریزی بدترین جرم اور حد سے زیادہ ذلیل حرکت ہے۔ اور اس جرم کا ارتکاب کوئی ایسا ہی انسان کر سکتا ہے جس کے اندر ذرہ برابر ایمان نہیں۔ جو عقل سے کوسوں دور ہو، یا وہ کوئی انسان نما درندہ ہو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس کے اندر ایمان کی ذرہ برابر رتق ہوگی اور جسے عقل چھو کر بھی گزری ہوگی ایسا آدمی اپنے کسی دینی بھائی یا بنی نوع انسان کو قتل نہیں کر سکتا۔ اس لئے لامحالہ ایسا خونِ درندہ شیطان کا سودائی اور اس کا چیلہ ہوگا اور قاتیل کا پیر و کار ہوگا جس نے اپنے بھائی ہاتیل کو ناحق قتل کر دیا تھا۔ (معاشرہ کی مہلک بیماریاں)

قرآن و حدیث نے ناحق قتل کی حرمت اور اس کے جرمِ عظیم ہونے کو جس انداز سے واضح کاف کیا ہے، دنیا کی کسی بھی جماعت، فرقے، مذہب نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اللہ ﷻ ہم سب کو اس گھناؤنی حرکت سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

.....☆☆☆.....

باہم بغض و کینہ نہ رکھو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غَلٍ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰلِيْنِ ۝ (الحجر ۷۷)

”اور ہم نے ان کے سینوں سے جو کینہ تھا نکال لیا، بھائی بھائی ہو کر تختوں پر آنے سامنے

بیٹھے۔“

اس آیت کے اشارے سے معلوم ہوا کہ جب تک ایک مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان کے بارے میں کینہ رہے گا، جنت کا تخت ہاتھ نہ آئے گا۔

آنحضرت ﷺ نے جو ہم کو تعلیم دی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ ہم کو دنیا میں جنت کی سی زندگی بسر کرنی چاہیے، دل میں کسی دشمنی اور عداوت کا دیر پا جذبہ رکھنا بغض اور کینہ کہلاتا ہے۔ یہ ایسی بری چیز ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے اے لوگو! آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو اور ایک اللہ کے بندے بن کر آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی بھائی کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دنوں سے زیادہ چھوڑے۔

(صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی سبب سے دو بھائیوں میں کوئی ملال کی بات ہو جائے تو اس کو تین دنوں سے زیادہ اپنے دل میں نہ رکھے۔ ابویوب صحابی ؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دنوں سے زیادہ چھوڑے۔ دنوں ملیں تو ایک دوسرے سے منہ پھیر لیں اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ کسی مومن کو تین دن سے زیادہ چھوڑے۔ تین دن جب ہو جائیں تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے آکر ملے۔ جو سلام کرے، تو اگر دوسرے نے جواب دیا تو دونوں کو مزدوری ملی اور اگر اس نے جواب نہیں دیا تو وہ (جواب نہ دینے والا) گناہ لے کر لوٹا۔ (سنن ابوداؤد)

کئی حدیثوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر دو شنبہ، پنجشنبہ (یعنی پیر اور جمعرات) کو انسان کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے اللہ ﷻ کے ساتھ شریک نہیں کیا، اللہ ﷻ اس کو معاف فرماتا ہے۔ لیکن جن دو آدمیوں میں آپس میں کینہ ہوتا ہے تو اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی رہنے دو، میل کر لیں (یعنی صلح کر لیں)۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی ادب المفرد، بخاری)

اس حدیث کی تشریح ایک روایت سے ہوتی ہے۔ فرمایا دو شنبہ اور جمعرات کو اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے مغفرت مانگی ہوگی اس کو مغفرت دی جاتی ہے۔ تو جس نے توبہ کی ہوگی اس کی توبہ قبول ہوتی ہے، لیکن کینہ والوں کے اعمال ان کے کینہ کے سبب سے لوٹا دیے جاتے ہیں جب تک وہ اس سے باز نہیں آتے۔ (طبرانی فی الاوسط ومنذری ص ۱۶۴ مصر)

یہ بھی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں کی بخشش نہیں، ان میں ایک جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہے۔ (ادب المفرد بخاری باب الشحنا)

ان حدیثوں پر غور کیجئے، مشرک اور کینہ دونوں کو ایک خاص پہلو سے برابر کا درجہ دیا گیا ہے۔ دین دو چیزوں سے عبارت ہے، اللہ ﷻ کا حق اور بندوں کا حق۔ جب تک مشرک رہے گا اللہ ﷻ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جن دو آدمیوں میں کینہ رہے گا، ان میں کوئی ایک دوسرے کا کوئی حق ادا نہیں کر سکے گا۔ غرض جس طرح شرک حقوق اللہ سے مانع ہے، بغض و کینہ حقوق العباد سے باز رکھتا ہے اور انہیں دونوں حقوق سے عہدہ برآ ہونا جنت کی کٹی ہے۔

ان احادیث مبارکہ میں ایک نصیحت فرمائی کہ آپس میں بغض نہ کرو، اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ جب آپس میں بغض و عداوت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے کی صورت دیکھنا تک گوارا نہیں ہوتا۔ بات چیت ختم ہونے کے ساتھ ساتھ آمناسا منا بھی برالگتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں میل محبت اور الفت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ بغض و عداوت، نفرت اور دوسروں کی تحقیر سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ انسان، انسان ہے کبھی طبیعت میں میل آ جاتا ہے اور بشری تقاضوں کی بنا پر ایسا ہو جانا بعید نہیں ہے۔ لیکن طبیعت کے تقاضے کی شریعت نے ایک حد رکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف تین روز قطع تعلق کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو، یہ بڑی پر مغز ہدایت ہے۔ معمولی غور و فکر کے بعد دو دقیق حکمتوں کی طرف اس میں اشارہ نکلتا کہ اول یہ ہے کہ اللہ کے بندہ کو بندگی سے فرصت کہاں؟ جو غرور اور شیخی میں پڑے۔ بندہ کو اپنی عاجزی اور بے کسی کا خیال رکھنا لازم ہے اور یہ سوچنا ضروری ہے کہ میں اپنے خالق و مالک کا بندہ ہوں، اس کے سامنے عاجز و ذلیل ہوں۔ اس کی فرمانبرداری میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے، اس نے تو وضع کا حکم دیا ہے۔ اس کے سامنے اس کی بادشاہت میں اس کی زمین پر اس کی مخلوق کے ساتھ لڑائی اور غرور و بڑائی کا مجھے کیا حق ہے؟ بندگی سے فرصت ہو تو سر اٹھاؤں، یہ تصور جس کو بندہ جائے، اکڑ، بکڑ، غرور و تکبر، شیخی، دشمنی، حسد، بغض سے پرہیز کرے گا، بلکہ اس کو بڑائی کا خیال تک نہ آئے گا۔

(تختہ المسلمین جلد دوم)

دوسری دقیق حکمت جس کی طرف الفاظ حدیث (کو نو عباد اللہ اخوانا) میں اشارہ نکلتا ہے کہ صرف بھائی کا لفظ رشتے اور ”مسلم بھائی بھائی“ کے نعروں سے اتحاد و اتفاق نہ ہوگا۔ اور ہمدردیوں کی طرف طبیعتیں نہ چلیں گی۔ ماں جائے حقیقی بھائی باعتبار خونی رشتے کے جو ہوتے ہیں ان میں بھی لڑائیاں ہوتی ہیں۔ لڑائی کو وہ اخوت اور بھائی چارگی روک سکتی ہے جس میں اللہ کے نسبت کو دخل ہو یعنی بھائی بھائی میں اللہ کی بندگی، اللہ کے حکم، اللہ کی عظمت کا دھیان ہو اور الفت و محبت کا باعث رسم و رواج یا عارضی نضا اور ماحول نہ ہو۔ بلکہ اس کا حقیقی باعث یہ ہو کہ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں اور یہ بھی اللہ کا بندہ ہے۔ وحدہ لا شریک کا پرستار ہونے کی وجہ سے اس لائق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور اس کو بھائی مانا جائے۔ دنیا میں محبت و اخوت کے بہت سے اسباب ہیں، کچھ لوگ ایک باپ کے بیٹے ہونے کی وجہ سے بھائی بھائی ہیں اور کچھ لوگ ایک وطن میں رہنے کی وجہ سے بھائی بھائی ہونے کے مدعی ہیں۔ اور اس طرح کی بہت سی نسبتیں دنیا میں جاری ہیں جن کی وجہ سے اخوت و محبت کے دعوے کئے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے جو اخوت ہے اس کے بارے میں اسے سوچنا چاہیے کہ اس سے جو میرا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ میں بھی اسی خدائے وحدہ لا شریک کا پرستار ہوں، جس کا یہ پرستار ہے۔ یہ وحدت و یگانگت بڑی مضبوط اور پائیدار ہے لامحالہ

مجھے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اور حقوق اخوت کی ادائیگی لازم ہے بلکہ اگر عبد کے مفہوم کو عام کیا جائے اور عبدیت مراد لی جاوے (یعنی عباد اللہ سے مراد کونی اور تخلیقی بندے مراد ہوں، خواہ خدا کو مانتے بھی نہ ہوں مگر اس حقیقت کو کہ حقیقتاً بندے ہیں اور جب خالق جل مجدہ کی مخلوق ہیں تو عبدیت ان کی ذات سے چپکی ہوئی ہے) تو اس صورت میں باعتبار مخلوق ہونے کے حقوق اخوت کی ادائیگی کا لحاظ لازم آئے گا۔ اور یہ معنی ہوں گے کہ سب ایک خالق کے بندے ہیں اور اس کی مخلوق ہیں اور اس وحدت میں سب ہی شریک ہیں۔ سب کے حقوق ادا کرنا اور آرام پہنچانا لازم ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں یہ ہے کہ: ”ساری مخلوق اللہ ﷻ کا کنبہ ہے۔ پس اللہ ﷻ کا سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔“ خلاصہ یہ ہے کہ بغض و کینہ ایک بدترین صفت ہے جس کا مسلمان کے اندر پایا جانا ایک بڑا عیب ہے اور اسلام کے مقتضا کے خلاف ہے۔ اللہ ﷻ ہم سب کو اس موذی مرض سے بچائے۔ (آمین ثم آمین)

.....☆☆☆.....

شہید لائبریری

موہڑہ کورچشم (چکوال)
پاکستان

Mohra Kor Chasham (Chakwal) Pakistan

حسد نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَدُّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ مَّ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ
عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ. (البقرہ۔ آیت ۱۰۹)

” (مسلمانو!) اکثر اہل کتاب اپنے دلی حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے
پیچھے پھرتے ہو کہ کافر بنا دیں۔“

اگر ایک شخص پر اللہ ﷻ اپنا کوئی احسان کرے مثلاً اس کو علم و فضل مال و دولت، عزت و شہرت
یا اور کوئی دینی یا دنیوی نعمت عطا فرمائے تو ان چیزوں کو دیکھ کر اگر کسی دوسرے شخص کے دل میں ان
کے حاصل کرنے کی خواہش ہو تو اس کو رشک و مناقشت کہتے ہیں اور یہ کوئی بد اخلاقی نہیں۔ بلکہ دینی
امور میں پسندیدہ ہے لیکن اگر وہ ان چیزوں کو دوسرے کے لئے پسند نہ کرے اور اس کی یہ خواہش ہو
کہ اللہ ﷻ کی نعمتیں اس سے چھین لی جائیں تو اس کا نام حسد ہے۔ اور قرآن مجید سے بھی یہی تعریف
مستطب ہوتی ہے۔ کیونکہ عہد رسالت میں اللہ ﷻ نے مسلمانوں پر اپنا خاص احسان یہ کیا تھا کہ ان کو
قرآن و ایمان کی دولت عطا فرمائی تھی جس کو دیکھ کر مسلمانوں کے حاسد یعنی یہود جلے مرتے تھے۔
(سیرۃ النبی حصہ ششم ۴۶۳)

ایک حدیث میں ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو کیونکہ وہ ٹیکوں کو اس
طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

علمائے امت نے فرمایا ہے کہ حسد بالا جماع حرام ہے۔ حسد کے حرام ہونے کی ایک سب
سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جس کو اللہ ﷻ نے کچھ دیا ہے حکمت کے بغیر نہیں دیا ہے۔ اب جو حسد کرنے
والا یہ چاہتا ہے کہ یہ نعمت فلاں شخص کے پاس نہ رہے تو درحقیقت یہ اللہ ﷻ پر اعتراض ہے کہ اس
نے اس کو کیوں نوازا۔ اور حکمت کے خلاف اس کو اس حال میں کیوں رکھا۔ ظاہر ہے کہ مخلوق کو خالق
کے کام میں دخل دینے کا حق نہیں ہے، اور نہ مخلوق اس لائق ہے کہ اس کو یہ حق دیا جائے۔ ہم اپنے
دنیاوی انتظام میں اور خانگی امور میں روزانہ ایسے کام کر گزرتے ہیں جو ہمارے بیوی بچوں کی سمجھ سے

بالا تر ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے بیوی بچے ہمارے کام میں دخل دیں تو ہم کو کس قدر برا معلوم ہوتا ہے۔

پھر اللہ رب العزت کی ”فعال لما یرید“ کی تقسیم میں کسی کو دخل دینے کا کیا حق ہے؟

جب کسی کو حسد ہو جاتا ہے تو جس سے حسد کرتا ہے اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتا

ہے۔ اس کی غیبت کرتا ہے، اور اس کو جانی و مالی نقصان پہنچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے

بڑے بڑے گناہوں میں گھر جاتا ہے۔ پھر اول تو نیکی کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اور اگر کوئی نیکی کر

گزرتا ہے تو چونکہ وہ آخرت میں اسے ملے گی جس سے حسد کیا ہے تو نیکی کرنا نہ کرنا برابر ہو گیا۔

ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ پہلی امتوں کا مرض یعنی حسد تم تک آپہنچا ہے اور بغض تو موٹھ دینے

والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو موٹھتا ہے، بلکہ دین کو موٹھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

آنحضرت سید عالم ﷺ نے بغض کو موٹھنے والا فرمایا۔ تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح استرہ

ہر بال کو موٹھتا چلا جاتا ہے اور ہر چھوٹے بڑے بال کو علیحدہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح بغض کی وجہ سے

نیکیاں ختم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ حاسد دنیا میں اپنا برا کرتا ہے، نیکیوں سے بھی محروم رہتا ہے اور کوئی نیکی

ہو بھی جاتی ہے تو حسد کی آگ اسے راکھ بنا کر رکھ دیتی ہے۔ دنیا میں حاسد کے لئے حسد ایک عذاب

ہے۔ حسد کی آگ حاسد کے سینے میں بھڑکتی رہتی ہے اور جس سے حسد کیا ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔

کیسا اچھا کلمہ حکمت ہے جو کسی نے کہا ہے کہ:

كَفَى بِالْحَاسِدِ اِنَّهُ يَغْتَمُ وَقْتُ سُرُورِكَ

”حاسد سے انتقام لینے کے خیال میں پڑنے کی ضرورت نہیں، یہی انتقام کافی ہے کہ تم کو

خوشی ہوتی ہے تو اس خوشی کی وجہ سے اسے رنج پہنچتا ہے۔“

الحسد حسک من تعلق به هلك

”حسد ایک کاٹنا ہے جس نے اسے پکڑا ہلاک ہوا۔“ (تحفۃ المسلمین جلد دوم)

حسد کی تین قسمیں ہیں:-

پہلی یہ کہ ایک شخص کی صرف یہ خواہش ہو کہ دوسرے سے ایک نعمت سلب کر لی جائے۔ گو وہ

اس کو نہ حاصل ہو سکے یا وہ اس کو خود حاصل نہ کرنا چاہے۔ حسد کی مذموم ترین قسم یہی ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کی خواہش یہ ہو کہ وہ نعمت اس کو حاصل ہو جائے۔ اس صورت میں اس کا مقصود بالذات تو صرف اس نعمت کا حاصل کرنا ہوتا ہے، لیکن چونکہ بعض اوقات جب تک نعمت دوسرے سے چھین نہ لی جائے اس کو مل نہیں سکتی۔ اس لئے اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ دوسرے سے سلب کر لی جائے۔

تیسرے یہ کہ ایک شخص خود اسی قسم کی نعمت حاصل کرنا چاہے۔ لیکن اس کی یہ خواہش نہ ہو کہ وہ دوسروں سے سلب کر لی جائے۔ ان میں پہلی صورت حسد کی مذموم ترین قسم ہے۔ دوسری صورت میں چونکہ زوال نعمت بالذات مقصود نہیں ہوتا، اسلئے اس کو حقیقی معنوں میں حسد تو نہیں کہہ سکتے۔ تاہم قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ط (النساء: ۳۲)

”اور اللہ ﷻ نے جو تم میں سے ایک کو دوسرے پر برتری دے رکھی ہے اس کا کچھ ارمان نہ کرو۔“

اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی چیز اگر کسی کو حاصل ہو، بعینہ اس کی خواہش کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لئے یہ بھی مذموم ہے۔ البتہ اس کے مثل دوسری نعمت کی خواہش کرنا مذموم نہیں۔ اسی لئے فرمایا: ”وستلوا اللہ من فضلہ“ اور اللہ ﷻ سے اس کا فضل مانگو۔ تیسری صورت بالکل مذموم نہیں بلکہ دینی امور میں مستحسن ہے۔ اور شریعت میں اس کو مسابقت کہتے ہیں۔ حسد کے سات اسباب ہیں۔

۱..... بغض و عداوت، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کے نزدیک دشمن کی برائی اور بھلائی دونوں یکساں ہوں۔ اس لئے ایک دشمن کی طبعی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے دشمن پر مصیبت آئے اور جب مصیبت آتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اس کی بجائے اللہ ﷻ اس پر کوئی احسان کرتا ہے تو وہ اس کو پسند نہیں کرتا اور اسی کا نام حسد ہے۔

۲..... حسد کا دوسرا سبب ذاتی فخر کا غلط خیال ہے، کیونکہ امثال و اقران میں جب ایک شخص کسی بلند منصب پر پہنچ جاتا ہے تو یہ اس کے دوسرے ہم چشموں کو گراں گزرتا ہے اور وہ اس کی ترقی کو

پسند نہیں کرتے۔ اور چاہتے ہیں کہ یہ منصب اس سے چھین جائے تاکہ وہ ان کے مساوی ہو جائے۔
 ۳..... حسد کا تیسرا سبب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اپنا مطیع بنانا چاہتا ہے۔ اس لئے جب وہ کسی شرف و امتیاز کی وجہ سے اس کے حلقہ اطاعت سے نکل جاتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا یہ شرف جاتا رہے۔ تاکہ وہ اس کا مطیع و تابع رہا ہو سکے۔

۴..... حسد کا چوتھا سبب یہ ہے کہ لوگ اپنی پندار میں جس کو معمولی آدمی سمجھتے ہیں اس کو کوئی غیر معمولی شرف حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو تعجب ہوتا ہے اور اس تعجب کی بنا پر وہ اس کے اس شرف کا انکار کرتے ہیں۔

۵..... حسد کا پانچواں سبب یہ ہے کہ جب دو شخصوں کا ایک مقصد ہوتا ہے تو دونوں باہم ایک دوسرے کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان میں جب ایک کو اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو دوسرا قدرتی طور پر اس کا بدخواہ ہو جاتا ہے۔

۶..... حسد کا چھٹا سبب جاہ پرستی اور ریاست طلبی ہے۔ اس لئے جو لوگ اس حیثیت سے یگانہ روزگار ہونا چاہتے ہیں، جب ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور شخص اس میں اس کا شریک و سہم ہو گیا ہے تو یہ ان کو سخت گراں گزرتا ہے اور ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جس شرف و امتیاز سے دوسرا شخص جاہ و منزلت میں ان کا شریک ہو گیا ہے وہ اس سے چھین جائے۔

۷..... حسد کا ساتواں سبب خبث نفس اور بد طبیعتی ہے۔ کیونکہ بعض اشخاص کی فطرت ہی ایسی ہوتی ہے کہ جب کسی کو بہتر حالت میں دیکھتے ہیں تو ان کو ناگوار گزرتا ہے اور جب کسی پر مصیبت آتی ہے تو ان کو مسرت و خوشی ہوتی ہے۔ اس صورت میں حسد کے پیدا ہونے کے لئے اشتراک، واسطہ، یا کسی اور خواہش کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کے خبث النفس لوگ ہر شخص پر حسد کرتے ہیں۔

ایک عالم دوسرے عالم پر، ایک عابد دوسرے عابد پر اس لئے حسد کرتا ہے کہ ان میں ایک چیز یعنی علم و عبادت مشترک ہے۔ اس کے برخلاف ایک عالم یا کسی عابد کو کسی تاجر پر حسد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میں کوئی چیز ماہہ الا شراک نہیں۔ اسلام نے مسلمانوں میں باہم اخوت کا رشتہ قائم کر کے نہایت وسیع اور عالم گیر اشتراک پیدا کر دیا ہے۔ اس لئے ان میں حسد کا جذبہ نہایت آسانی کے ساتھ پیدا

ہوسکتا ہے۔ اور حسد کے جس قدر اسباب و مراتب ہیں وہ سب کے سب اس وسیع برادری میں جمع ہو سکتے تھے۔ اس لئے اصولاً جو بد اخلاقیوں اس اخوت کا شیرازہ برہم کر سکتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سب سے مسلمانوں کو بچنے کی ہدایت کی ہے اور فرمایا ”بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ نہ لوگوں کے عیب کی ٹوہ لگاؤ، نہ باہم حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو۔ نہ باہم بغض رکھو بلکہ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔“ (بخاری کتاب الادب)

اللہ ہم سب کو ان موذی بیماریوں سے بچائے۔ (آمین ثم آمین)

.....☆☆☆.....



سائل کو نہ جھڑکو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (والضحیٰ آیت ۱۰)

”اور تو سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کر۔“

یہاں سوال کرنے والے کے معنی عام طور سے بھیک مانگنے والے کے سمجھے جاتے ہیں، مگر لفظ کا عموم وسعت کو چاہتا ہے۔ یعنی ہر ضرورت مند جو تم سے کسی قسم کی مدد کا خواستگار ہو، خواہ وہ جسمانی ہو، مالی، علمی ہو۔ یہاں تک کہ کوئی لنگڑا تم سے صرف تمہارے کندھے یا سواری پر سوار ہونے کے لئے سہارا چاہتا ہو تو وہ بھی سائل کے تحت میں ہے۔ اسکے سوال کو بھی سختی سے رد نہ کرو۔ بلکہ امکان بھر اس کو پورا کرو اور نہ کر سکو تو نرمی اور خوبصورتی سے عذر کر دو۔

ہر انسان خواہ وہ کسی قدر صاحب دولت اور بے نیاز ہو، کسی نہ کسی وقت اس پر ایسی افتاد پڑتی ہے کہ اس کو دوسروں کا دست نگر بننا پڑتا ہے اور اس کو دوسروں کی مدد لینے کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ اس لئے انسانی جماعت کے ہر رکن کا فرض ہے کہ وہ اپنے ایسے مصیبت زدہ بھائی کی ہر طرح مدد کرے اور اپنی موجودہ بہتر حالت پر مغرور ہو کر کبھی کسی حاجت مند کی حاجت روائی سے بے پروائی نہ برتے۔ اور نہ یہ سمجھے کہ اس کو کبھی کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

شکر گزار بندے کا حوصلہ یہی ہونا چاہیے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہو اور حاجت مندوں کے سوال سے گھبرا کر جھڑکنے، ڈانٹنے کا شیوہ اختیار نہ کرے۔ بلکہ فراخ دلی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ احادیث میں سائلین کے مقابلہ پر آپ ﷺ کی وسعت اخلاق کے جو قصے منقول ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالف کو آپ ﷺ کے اخلاق کا گرویدہ بنا دیتے ہیں۔ (متنبیہ)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سائل زجر کی ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ نرمی سے مان جائے ورنہ اگر اڑی لگا کر کھڑا ہو جائے اور کسی طرح نہ مانے، اس وقت زجر جائز ہے۔

(تفسیر عثمانی)

اہل تفسیر نے لکھا ہے مطلب یہ ہے کہ دروازہ پر جو سائل آئے ہیں ان کو نہ جھڑکو اور نہ ڈانٹو۔

کیونکہ تم بھی نادار اور محتاج تھے، یا اس کو کھانا دے دو ورنہ نرمی سے اور خوش خلقی کے ساتھ اس کو واپس کر دو۔ (گلدستہ تفاسیر جلد ۷ سورہ والضحیٰ)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے (اور بھائی ہونے کا متقاضیہ ہے کہ) نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے کسی کی حالت میں چھوڑے نہ اس سے جھوٹ بولے نہ اسے حقیر جانے۔

اس لئے اپنے مسلمان بھائی کو بے کسی کی حالت میں چھوڑنا حقوق اخوت کے خلاف ہے۔ جب بھی کسی مسلمان کو مصیبت میں مبتلا دیکھے تو جہاں تک ممکن ہو اس کی مدد کرے اور اس کی غیبت یا بے آبروئی ہوتی دیکھے تو اس کا ساتھ دے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مومنوں کو آپس میں رحم کرنے اور محبت و شفقت رکھنے میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے۔ وہ اس طرح ہوں گے جیسے ایک ہی جسم ہوتا ہے کہ جب ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں کہ اگر آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ (مسلم)

اب اپنے حالات پر غور کیجئے اور اس زمانہ کی مسلمان کہلانے والی قوم کا بھی پتہ چلائیے کہ اپنے مطلب کے لئے دوسرے مسلمان کو ہر ممکن صورت سے نقصان پہنچانے کے لئے تیار ہیں۔ پریشان حال کی اعانت، خبر گیری تو بڑی چیز ہے، اس کے پاس سے گزرنا اور اس کو تسلی دینا بھی بارگزر تا ہے۔ اپنے مطلب کے لئے دنیا بھر کو اسلامی بھائی بنا لیں اور جہاں دوسرے کا کوئی کام اٹکا فوراً رشتہ برادری توڑ ڈالا۔ آج اسی نفسا نفسی اور اپنے فائدے کی خاطر اپنے مسلمان بھائی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ درد نہ ہونے کی وجہ ہے کہ مسلمان اس درجہ ذلیل و رسوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو مصیبت میں ڈالے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے، اللہ اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پریشانی دور کر دے، قیامت کے روز کی پریشانیوں میں سے اللہ ﷻ اس کی پریشانی دور کر دے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی قیامت کے

دن اللہ اس کی عیب پوشی کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے میرے کسی امتی کی حاجت پوری کر دی تا کہ اس کو خوش کرے تو اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا۔ اور جس نے اللہ ﷻ کو خوش کیا اللہ ﷻ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ (بیہقی)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی پریشان حال کی مدد کر دی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے تہتر مغفرتیں لکھ دے گا۔ ان میں سے ایک میں اس کے سب کام بن جائیں گے۔ اور بہتر قیامت کے دن اس کے درجے بلند کرنے کے لئے ہوں گے۔ (بیہقی)

غور کرنے کی بات ہے اور ہمارے لئے کس قدر خوشی کی چیز ہے کہ مسلمان کی حاجت پوری کرنے سے آخرت کے میدان میں پریشانیوں سے محفوظ رہیں گے اور مسلمانوں کے عیب چھپانے سے آخرت کی رسوائی سے بچیں گے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ دوسرے مسلمانوں کی مدد کریں اور مسلمان بھائی کے عیوب کو پوشیدہ رکھیں۔ (تحفۃ المسلمین جلد دوم کتاب الاخلاق والحدیث)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ کے پاس کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو آپ ﷺ صحابہ سے فرماتے کہ تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

(صحیح البخاری کتاب الادب باب تعاون المؤمنین)

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجت مند کی مدد ہی کیا کرو۔

(صحیح البخاری باب کل معروف صدقہ)

یہ بھی فرمایا کہ بھولے بھٹکے ہوئے کو اور کسی اندھے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔

(ترمذی کتاب البر والصلۃ)

یہ بھی ارشاد ہوا کہ جو شخص راستہ چلتے میں کوئی کانٹا راستہ سے ہٹا دے، خداوند تعالیٰ اس کے

اس کام کی قدر کرتا ہے اور اس کا گناہ معاف کرتا ہے۔ (ایضاً)

الغرض! حاجت مندوں کی حاجت برابری، ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا، اور جو

جس قدر بھی مدد تم سے چاہے، اگر تمہاری طاقت یا استطاعت میں ہو تو وہ اس کو دینا ہر مسلمان پر ایک حق کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کو ہر مسلمان کو ادا کرنا چاہیے۔ کسی نیک غرض کی جدوجہد میں جتنا حصہ بھی لیا جائے، حصہ لینے والا بھی اس نیک کام کے ثواب میں شریک ہوگا۔ ایسا ہی برے کام کی جدوجہد میں حصہ لینا اس کے گناہ میں شریک ہونا ہے۔

مبارک ہیں وہ بندے، جن کے در سے کوئی سوالی خالی نہیں جاتا۔ اللہ ﷻ نے ان کو اتنا پیسہ دیا ہے اور ایسا دل دیا ہے کہ وہ ہر ضرورت مند اور محتاج سوالی کی حاجت پوری کرتے ہیں۔ اور دعائیں لیتے ہیں۔ اللہ ﷻ کسی کو کسی کا محتاج نہ کرے، اتنا وافر دے کہ کسی سے سوال کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔ اور دل بھی ایسا دے کہ انسان دوسروں کے کام آئے اور لذت محسوس کرے (آمین) اگر ہاتھ کھلا نہیں ہے اور انسان سوالی کا سوال پورا کرنے کے قابل نہیں ہے، پھر بھی لازم ہے کہ محبت و عزت و احترام سے جواب دے۔ اس کا دل نہ توڑے اور ذلیل و خوار نہ کرے۔ ہمارے حضور اکرم ﷺ (فداہ ابی و امی) کے پاس ہر طرف سے جزیہ، خراج، عشر، زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لدے چلے آتے ہیں۔ غزوات و فتوحات کی وجہ سے مال کی کچھ کمی نہ تھی۔ لیکن سب کا سب خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے اور اپنے گھر فقر و فاقہ کی یہ حالت تھی کہ اکثر چولہا بھی گرم نہ ہوتا تھا۔ لیکن کسی کو مایوس نہ فرماتے، یہاں تک کہ دوسرے سے قرض لے کر بھی ضرورت والے کی ضرورت پوری کر دیتے۔

ہمارے ملک کے ایک علاقہ میں بہت اچھا رواج ہے، کوئی سائل سوال کرے اور اسے کچھ نہ دے سکتے ہوں تو کہہ دیتے ہیں، ”بابا معاف کرو“ یعنی تمہارا حق تو ہے مگر ہم ادا نہیں کر سکتے۔ اس لئے معافی چاہتے ہیں۔ لیکن سوال کرنے کی اجازت صرف حد درجہ مجبوری میں ہے، بطور پیشہ بھیک مانگنا اسلام میں روا نہیں۔ نہ پیشہ ور گدا اگر سائلین اس فہرست میں شامل ہیں۔ اللہ رب العزت اعمال صالحہ کی توفیق دیں، اور اخلاقِ رذیلہ سے بچائیں۔ (آمین ثم آمین)

دل کا تقویٰ ہے خیرِ خواہیِ خلق
ہو بشرطیکہ بر بنائے خلوص

.....☆☆☆.....

دوسروں کے گھروں میں اجازت لئے بغیر داخل نہ ہوا کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى
أَهْلِهَا ط ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا
تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ ج وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ ط وَاللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (النور ۱۸ آیت ۲۷، ۲۸)

”اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو پھر اگر ان گھروں میں تم کو کوئی معلوم نہ ہو تو ان گھروں میں نہ جاؤ، جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جایا کرو، یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانوی)

ہمارے بعض مسلمان بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ ”اجازت لے کر داخل ہونا“ جدید مغربی تہذیب نے سکھایا ہے، وہ خود سوچیں کہ ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ نے حکم الہی سے یہ بات چودہ سو سال پہلے سے مسلمانوں کو بتادی تھی۔

کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے دو باتیں ضروری ہیں۔ پہلے اجازت حاصل کرنا، اجازت کے بعد سلام کر کے داخل ہونا۔ اگر اجازت نہ ملے تو دل میں کوئی میل لائے بغیر خوشی سے واپس ہو جانا۔ اس صورت میں اجازت اور بھی ضروری ہے جبکہ گھر میں کوئی مرد موجود نہ ہو۔ اسی طرح بچے جوان ہو جائیں تو وہ بھی بڑوں کی طرح اجازت لے کر گھر میں داخل ہوں۔ یہ غیر گھر کی بات ہے، اپنے گھر میں بھی سیدھے بے دریغ نہ آنا چاہئے۔ کیا پتہ کوئی کس حالت میں بیٹھا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر محرم مہمان یا ہمسائی گھر میں ہو۔ (اللہ کے احکام ص ۸۶)

اجازت لینے کے طریقے ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ زبان ہی کی خصوصیت نہیں، ان میں سے ایک طریقہ دروازہ پر دستک دینا ہے۔ لیکن دستک اتنی زور سے نہ ہو کہ

مخاطب گھبرا اٹھے اور اس پر وحشت طاری ہو جائے۔ متوسط انداز سے دستک دی جائے۔ جس سے اندر آواز پہنچ جائے مگر کسی ہنگامی حالت کا اظہار نہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجازت کے لئے زبان سے کہنا شرط نہیں بلکہ اور طرح بھی ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اجازت سے وحشت و تکلیف کا سدباب مقصود ہے جو طلب اجازت کا خاص سبب ہے۔ عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، کیا مجھ کو اپنی ماں سے بھی اجازت لینی چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک! پھر اس نے سوال کیا کہ میں تو ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں۔ ارشاد فرمایا، اجازت ان سے بھی لیا کرو، اس شخص نے مزید کہا کہ میں تو ان کا خادم ہوں، (بار بار اس لئے سوال کیا تھا کہ شاید کوئی چھکارے کا پہلو مل جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجازت لیا کرو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھو۔ اس نے کہا نہیں۔ ارشاد فرمایا اس لئے تو اجازت لے کر ان کے پاس جایا کرو (کہ آدمی تنہائی میں مخلی باطرح ہوتا ہے۔)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا، کیا ماں کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے بھی اجازت طلب کرنا ضروری ہے؟ فرمایا ہاں، اگر اجازت نہ مانگے گا تو ہو سکتا ہے کہ ان کو ایسے حال میں دیکھے جو ماں کو ناگوار ہو۔ اور یہ ماں کو تکلیف پہنچانا ہے اور یہ مسلم ہے کہ کسی مسلمان کو اذیت دینا درست نہیں۔

اسی طرح عام طور سے جاہل تو جاہل، لکھی پڑھی عورتیں بھی سمجھتی ہیں کہ عورتوں کو عورتوں سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، بغیر کسی اجازت کے بلا روک ٹوک چلی آتی ہیں۔ کوئی گناہ یا برائی نہیں سمجھتیں۔ حالانکہ اس کی وجہ سے بعض مرتبہ کسی بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عہد صحابہ میں ان کی عورتوں کا عمل یہ تھا کہ جب وہ کسی کے گھر جاتی تھیں تو پہلے اجازت چاہتیں، پھر داخل ہوتی تھیں۔ روایت ہے: حضرت ام یاس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے ان سے اجازت طلب کرتی تھیں۔

جب آپ اجازت دے دیتیں تو ہم اندر داخل ہوتیں۔

روایت ہے: کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چار عورتیں گئیں اور اجازت طلب کی کہ کیا ہم آسکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں تم میں سے جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو کہہ دو کہ وہ اجازت طلب کرے۔ ایک عورت نے پہلے سلام کیا، پھر اجازت چاہی، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی۔ لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ۔ اجازت کے متعلق مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی کے یہاں گھنٹی کے ذریعہ اطلاع کرنے کا طریقہ رائج ہے تو آنے والے پر اس کا بجانا ہی واجب ہے۔ اور یہ استیذان کی ادائیگی کے لئے کافی ہو جائے گا۔ مگر سنت جب ہی ہوگا کہ گھنٹی کے بعد اپنا نام بھی ایسی آواز سے ظاہر کر دے جس کو مخاطب سن لے۔ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ جو کسی جگہ یا کسی علاقہ میں رائج ہو اس کو اختیار کرنا بھی جائز ہے۔

البتہ بیوی کے پاس بلا اجازت جانا جائز ہے اور وہ گھر جس میں انسان صرف بیوی کے ساتھ رہتا ہو، وہ گھر اپنا گھر کہلائے گا۔ اس کے علاوہ گھر میں کوئی اور مقیم ہو یا کوئی مہمان آیا ہو اور تو اس وقت اپنے گھر میں اجازت سے بری نہ ہوگا۔ اور جس گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اس میں داخل ہونے کے لئے اگرچہ اجازت واجب نہیں ہے، مگر مستحب اور سنت طریقہ یہ ہے کہ وہاں پر بھی اچانک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے۔ بلکہ داخل ہونے سے قبل اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکار سے یا کسی اور طریقہ سے پہلے باخبر کر دے پھر داخل ہو۔

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میرے خاوند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میرے پاس گھر میں آتے تھے تو کھنکار کے آتے تھے اور کبھی بلند آواز سے دروازے کے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تھے تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لئے صراحت کی ہے کہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت کھنکار یا پاؤں کی آواز پیدا کرنا مستحب ہے۔ (ابن جریر، ابن کثیر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات میں گشت فرما رہے تھے، ایک شخص کی آواز سنی کہ وہ

گارہا ہے۔ آپ کو شک گزرا دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا وہاں پر شراب بھی موجود ہے اور عورت بھی ہے۔ آپ نے پکار کر کہا اے دشمن خدا! کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہیں کرے گا۔ اس نے جواب دیا اے امیر المؤمنین! جلدی نہ کیجئے گا، اگر میں نے ایک گناہ کیا تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں۔

۱..... اللہ نے تجسس کو منع فرمایا ہے ولا تجسسو۔

۲..... گھر میں دروازہ سے آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ واتوا البيوت من ابوابها۔

۳..... اللہ نے حکم دیا کہ اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اجازت کے بغیر مت جاؤ لا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ۔

آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر آئے ہیں۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔

اجازت کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ دوسرا آدمی جو چیز آپ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا ہے، آپ اس پر کسی طرح باخبر نہ ہوں۔ اگر پہلے ہی گھر میں جھانک لیا تو یہ مصلحت ختم ہو جائے گی۔ احادیث شریفہ میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک میں باہر سے جھانکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک تیر ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف بڑھے کہ گویا کہ اس کے پیٹ میں گھونپ دیں گے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے اجازت سے پہلے محن مکان کو نظر بھر کر دیکھا تو اس نے نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ شریعت مطہرہ میں جھانکنے کی سخت ممانعت ہے۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ حصول اجازت کے لئے دو عمل ضروری قرار دیئے گئے ہیں تو ان دونوں میں کسی کو مقدم اور کسی کو موخر کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اجازت نہ دی جائے جو پہلے سلام

نہ کرے۔ (رواہ ابو داؤد، والترمذی)

حضرت کلدہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پاس گیا اور میں نے سلام نہیں کیا، اور اجازت طلب کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ واپس چلے جاؤ اور آکر پہلے السلام علیکم کہو پھر داخل ہوؤ۔

آنحضرت ﷺ نے ادب کی تعلیم کے لئے حضرت کلدہ ﷺ کو اجازت کا طریقہ صرف زبانی بتا دینے کے ساتھ ساتھ ان سے اس پر عمل بھی کروایا اور ظاہر ہے جو سبق اس طرح دیا جائے تو آدمی اس کو کبھی بھی بھلا نہیں سکتا۔

مفسرین نے ان آیات و روایات سے استدلال کیا ہے کہ قرآن شریف میں جو سلام کرنے کا حکم ہے یہ سلام استیذان ہے جو اجازت کے لئے باہر سے کہا جاتا ہے۔ تاکہ اندر جو شخص ہے وہ متوجہ ہو جائے اور جو الفاظ اجازت طلب کرنے کے لئے کہے گا، وہ صاحب خانہ سن لے اور گھر میں داخل ہونے کے لئے حسب معمول دوبارہ سلام کرے۔

تعلیم سنت اور تعامل صحابہ ﷺ کی روشنی میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ مکان اگر بڑا ہو اور سلام کی آواز نہ پہونچے تو پہلے اطلاع کرے اور پھر اجازت طلب کرنا ضروری ہے اور پھر ملاقات کے وقت سلام کرنا چاہئے۔

الغرض! استیذان (اجازت طلب کرنے کا) مسئلہ قرآن کا اہم واجب التعمیل حکم ہے۔ اس میں ذرا سی سستی اور تبدیلی کو بھی حضرت ابن عباس ﷺ انکار آیت قرآن جیسے شدید الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

اللہ ﷻ ہم سب کو قرآنی احکامات و تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

.....☆☆☆.....

وعدہ خلافی نہ کرو

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل آیت ۳۴)

”اور پورا کرو عہد کو، بے شک عہد کی پوچھ ہوگی۔“

اس میں سب عہد داخل ہیں۔ خواہ اللہ تعالیٰ سے کئے جائیں یا بندوں سے۔ بشرطیکہ غیر مشروع نہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کسی کو قول یا قرار صلح کا دے کر بد عہدی کرنا اس کا وبال ضرور پڑتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی عہد کرنے والے سے جو عہد کا ایفا مطلوب ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہر عہد کے متعلق عہد کو توڑنے والے سے باز پرس کی جائے گی اور وعدہ خلافی پر اس کو سزا دی جائے گی۔ (گلدستہ تقاسیر)
وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنا، بہت بڑی برائی ہے اور یہ بھی حقیقت میں جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ کسی قوم اور اس کے افراد کی عزت کا مدار بہت کچھ اس پر ہے کہ وہ اپنے وعدوں کے کتنے سچے اور اپنی بات کے کیسے پکے ہیں۔ جب کوئی شخص وعدہ کر لیتا ہے تو اپنے اوپر ایک ذمہ داری اوڑھ لیتا ہے۔ کسی قوم سے یا کسی شخص سے معاہدہ ہو (بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو) مسلمان کا فرض ہے کہ اسے پورا کرے، خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔

”قول مرداں جان دارڈ“

خصوصاً جب خدا تعالیٰ کا نام لے کر اور حلف کر کے ایک معاہدہ کیا ہے اور سمجھنا چاہیے کہ تم کھانا گویا خدا کو اس معاملہ کا گواہ یا ضامن بنانا ہے۔ وہ جانتا ہے جب تم اسے گواہ بنا رہے ہو اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں تک اس گواہی کا لحاظ رکھتے ہو۔ اگر تم نے خیانت اور بد عہدی کی، وہ اپنے علم محیط کے موافق پوری سزا دے گا، کیونکہ تمہاری کسی قسم کی کھلی دغا بازی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

(تفسیر عثمانی)

لفظ عہد ان تمام معاملات اور معاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے یعنی اس کی ذمہ داری لی جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ

کرنے سے۔

کسی سے عہد معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرنا بڑا گناہ ہے، مگر اس کے توڑنے پر کوئی کفارہ مقرر نہیں، بلکہ آخرت کا عذاب ہے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا جو میدان حشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ہم سے خطاب کیا ہو۔ اور یہ نہ فرمایا ہو کہ اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں، اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کو پورا کرنے والا نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۵ از بیہقی)

اسی طرح جس کام کی قسم کھائی، اس کے خلاف کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ آخرت میں وبال عظیم ہے اور دنیا میں اس کی خاص صورتوں میں کفارہ لازم ہوتا ہے۔ (قرطبی)

عہد باندھ کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے، پھر کتا کتایا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دے۔ چنانچہ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو محض کپے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا، اور جب چاہا انگلیوں کی ادنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا۔ یہ سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے۔ بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ قول و قرار کی پابندی اس سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے۔ جو قوم میں قانون عدل و انصاف سے ہٹ کر محض اغراض، خواہشات کی پوجا کرنے لگتی ہیں۔ ان کے یہاں معاہدے صرف توڑنے کے لئے رہ جاتے ہیں جہاں معاہدہ قوم کو اپنے سے کمزور دیکھا، سارے معاہدات ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس وقت کے مسلمان اپنی زبان کے کس قدر پابند تھے۔ وعدہ توڑنے اور کرنے کے لئے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ زبان سے جو لفظ نکالتے تھے، اس کو پتھر کی لکیر سمجھتے تھے۔ ہرمزان ایرانیوں کے ایک لشکر کا سردار تھا، ایک مرتبہ مغلوب ہو کر اس نے جزیہ دینا ہی قبول کیا تھا مگر پھر باغی ہو کر مقابلے پر آیا۔ آخر شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر اس

حالت میں کہ تاج مرصع سر پر تھا۔ قبا زیب تن کمر سے مرصع تلوار آویزاں بیش بہا زیورات سے آراستہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پہنچا۔ آپ اس وقت مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے۔ فرمایا تم نے کمر رسد، بدعہدی کی۔ اب اگر اس کا بدلہ تم سے لیا جائے تو تم کو کیا عذر ہے؟ ہرمزان نے کہا مجھے خوف ہے کہ شاید میرا عذر سننے سے پیشتر ہی مجھے قتل نہ کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہ ہوگا تم خوف نہ کرو۔ ہرمزان نے کہا کہ پہلے پانی پلا دو، حضرت عمرؓ نے پانی پلانے کا حکم دیا۔ ہرمزان نے ہاتھ میں پانی کا پیالہ لے کر کہا۔ مجھے خطرہ ہے کہ میں پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب تک پانی نہ پی لو، اور اپنا عذر بیان نہ کرو۔ تم اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرہ سے محفوظ سمجھو۔ ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا میں پانی نہیں پینا چاہتا، آپ نے مجھ کو امان بخشی ہے، اس لئے آپ مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ہرمزان کی اس چالاکی اور دھوکہ دہی پر بہت غصہ آیا، لیکن حضرت انسؓ درمیان میں بول اٹھے اور کہا امیر المؤمنین! یہ سچ کہتا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جب تک پورا حال نہ کہہ دو کسی قسم کا خوف نہ کرو اور جب تک پانی نہ پی لو کسی قسم کے خطرے میں نہ ڈالے جاؤ گے۔ حضرت انسؓ کے کلام کی اور لوگوں نے بھی تائید کی، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، ہرمزان تم نے مجھے دھوکہ دیا، لیکن میں تمہیں دھوکہ نہ دوں گا۔ اسلام نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ ایفائے عہد اور حسن سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ امیر المؤمنین نے دو ہزار سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ (خزینہ ص ۱۱۱، ۱۱۰)

صحیحین میں ہے کہ ”منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بولے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے خلاف کرے، جب امانت دار بنایا جائے تو خیانت کرے۔“ (صحیح مسلم میں اس کے بعد ہے) اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ چار باتیں جس میں ہوں وہ پکا منافق ہے۔ اور جس میں ان میں سے کوئی ایک ہو اس میں منافق کی ایک نشانی ہے جب تک اس کو چھوڑ نہ دے۔

☆..... جب امانت دار بنایا جائے تو خیانت کرے۔

☆..... جب بولے جھوٹ بولے

☆..... جب معاہدہ کرے خلاف کرے

☆..... جب جھگڑے گالی دے (ترغیب و ترہیب منذری باب الترغیب فی المصدق)

ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ سے تین باتوں کا ذمہ لو تو میں تمہارے لئے جنت کا

ذمہ لیتا ہوں۔ جب بولو سچ بولو، اور جب وعدہ کرو تو پورا کرو اور جب امین بنو تو خیانت نہ کرو۔

(احمد، حاکم، ابویعلیٰ، بیہقی، منذری باب انجامز الوعد)

بسا اوقات دیکھا جاتا ہے حکام آپس میں اور عوام ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ خلافی کا

ارتکاب کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک حاکم دوسرے حاکم سے، ایک قوم دوسری قوم سے یا ایک فرد دوسرے

فرد سے کوئی معاہدہ کرتا ہے یا ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے ساتھ عہد و پیمان کرتا ہے، لیکن کچھ سوچے سمجھے

بغیر اسے توڑ دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں فتنے اور خون ریزی ہوتی ہے، خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں،

جھگڑے فساد ہوتے ہیں، بے گناہ مارے جاتے ہیں، مال و دولت لوٹا جاتا ہے، عزت و آبرو پر ڈاکے

ڈالے جاتے ہیں، دلوں میں دشمنی اور ایک دوسرے سے نفرت گھر کرتی ہے، مسلمانوں کا ایک

دوسرے سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے، وحدت کلمہ کی بنیاد میں دراڑیں پڑتی ہیں اور یہ سب محض اس لئے

ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس سے کئے گئے معاہدے کی

خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ ہم سب کو اس معیوب حرکت سے بچائے۔ (آمین ثم آمین)

وعدے کا تو کر لینا آساں ہے بہت لیکن

مشکل ہے زمانے میں وعدے کا وفا کرنا

☆.....☆☆☆.....

گانا بجانے اور سننے سنانے سے بچو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوا بِاللُّغُوِّ مَرُّوا كِرَامًا ۝ (سورۃ الفرقان پ ۱۹)

”اور وہ لوگ (جو مسلمان ہیں) گانے بجانے کی مجالس میں شامل نہیں ہوتے اور جب کھیل

تماشہ کے مقام سے گزرتے ہیں تو پورے وقار سے (علیحدہ ہو کر) گزر جاتے ہیں۔“

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ گانا بجانے اور سننے سنانے کا بے ہودہ اور لغو کام ہے۔ کیونکہ یہ دین تو ہے ہی نہیں۔ علاوہ اس کے دنیا کے نفع کے بجائے سراسر نقصان ہے۔ کیونکہ اپنی حلال کی کمائی، گلوکاروں، فنکاروں کی نذر کرنی پڑتی ہے۔ اور لغو اس کام کو کہا جاتا ہے کہ جس میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا۔

انسان اللہ کا بندہ ہے تو بندہ بن کر دکھا دو۔ یعنی حکم شہنشاہی کے آگے سر جھکا دو اور اغراض نفسانی کے پورا کرنے کے لئے جو سرکشی کر رہے ہیں اس سے باز آ جاؤ ورنہ یوم الحساب میں کیا جواب دو گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس دنیاوی فرحت اور سرور عارضی پر دائمی راحت کو قربان کر بیٹھو۔

انسان دنیا میں خدا تعالیٰ جل شانہ کو راضی کرنے کے لئے آیا ہے، لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہر وقت ہر حال میں ہر ایک موقع پر اس بات کا لحاظ رکھیں کہ کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور اگر کسی بھائی سے ایسی غلطی ہو تو دوسرے کا فرض ہے کہ حق اخوت ادا کرے اور اپنے غلط کار بھائی کی دلالت علی الخیر سے دست گیری کرے تاکہ دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔

(باجوں کی حرمت از روئے شریعت)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص گانے والی عورت کی طرف کان لگائے گا، قیامت کے دن

ایسے لوگوں کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (کنز العمال ۱۵-۲۲۰)

ایک اور موقع پر نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت (اپنے تشریف لانے) کے مقصد کو بیان کرتے

ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں گانے بجانے کے آلات توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ گانادل میں نفاق کو یوں اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔
(مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں لوگ شراب کا نام بدل کر پیئیں گے اور ان کے سروں پر باجے، گانے اور گانے والیاں ہوں گی۔ اللہ ﷻ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان کو بندرو خنزیر بنا دے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں (بعض) لوگ زمین میں غرق ہوں گے اور ان کی صورتیں بھی مسخ ہوں گی۔ یہ عذاب تب ہی ہوں گے جب گانے والی عورتیں اور آلات لہو (پلجہ وغیرہ) ظاہر ہوں گے۔ (ترمذی شریف)

گانا بجانا آج کل زندگی کا بڑا اہم جزو بن گیا ہے اگر بیاہ و شادی اور دوسری تقریبوں میں گانے بجانے اور ناچنے کا انتظام نہ ہو تو اس کو پھیکا اور بد مزہ کہا جاتا ہے۔ کھانا کھانے اور ٹھہرنے کے لئے وہی ہوٹل اور ریسٹورنٹ پسند کئے جاتے ہیں جس میں ٹیلیویشن ہو، بزرگوں اور اولیاء اللہ کی قبروں پر عرس کے نام سے جمع ہوتے ہیں اور ہارمونیم وغیرہ کے گانے ہوتے ہیں۔ جن بزرگوں کی زندگی خلاف شرع چیزوں کو منانے میں گزری ہے ان کی قبروں پر میلے کھیل تماشے لگتے ہیں اور گانوں کے اڈے بنائے جاتے ہیں۔ استغفر اللہ! خدا اس جہالت سے بچائے۔

گانا بجانا اور ناچنا اس قدر عام ہو گیا ہے کہ شادی کرنے کے لئے مرد و عورت دونوں طرف سے ایسے جوڑے کی تلاش ہوتی ہے جسے ناچنے اور گانا بجانے میں مہارت ہو، اسی وجہ سے بہت سے گھرانوں میں لڑکیوں کو گانا بجانا سکھایا جانے لگا ہے۔ کافر تو کافر ہی ہیں ان سے کیا شکوہ، مسلمان بھی ان کو تو توں کو اپنی زندگی میں داخل کر چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ”بلاشبہ اللہ ﷻ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ گانا بجانے کے سامان کو اور بتوں کو اور صلیب کو اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں۔“

پیارے آقا ﷺ تو یہ فرمائیں کہ میں گانے بجانے کے سامان کو مٹانے کے لئے آیا ہوں۔ لیکن آقا ﷺ سے نسبت رکھنے والوں نے بلکہ محبت کا دعویٰ کرنے والوں نے گانے بجانے کو جزو

زندگی بنالیا ہے۔ اس کو ترقی سمجھتے ہیں، سکولوں میں گانا بجانا سکھایا جاتا ہے اور اس کا نام فنون لطیفہ اور فنکاری، گلوکاری، اداکاری (جن کو ہماری پنجابی میں بھانڈ، میراٹی، ڈوم کہا جاتا ہے) رکھ دیا۔ لڑکیاں بڑے شوق سے سیکھتی ہیں پھر محفلیں گرم کرتی ہیں، ریڈیو پر گارہی ہیں، ٹی وی پر بن سنور کر گانے بجانے کا مظاہرہ کر رہی ہیں، مرد بھی گارہے ہیں۔ یہ کیا ترقی ہے جس میں دین و ایمان کا خون ہے، حکومتیں چونکہ عوامی ہیں، عوام کی بری خواہشات پوری کرنے کا خیال رکھتی ہیں، اس لئے وہ گانے بجانے کے پروگرام نشر کرتی ہیں لیکن کرسیاں پھر بھی چھن جاتی ہیں۔ حکومتوں نے جوانوں کو تباہ کر دیا اور آنے والی نسلوں کا خون کر دیا اور یہ سب ترقی کے نام پر ہو رہا ہے۔

جانوروں کے گلے میں جو گھنٹی ڈال دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے یعنی جن لوگوں کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو (رحمت کے) فرشتے ان کے ساتھ نہیں رہتے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳۸)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ ”ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے“ (مشکوٰۃ ص ۳۷۹)

اور مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ بہت سے مواقع میں گانے باجے کو ثواب سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ قوالی کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں اور راتوں رات قوالی کا گانا سننے کے لئے جاگتے ہیں۔ اور چونکہ اس موقع پر حضور اقدس ﷺ کی نعت اور مدح کے اشعار بھی ہوتے ہیں، اس لئے اس محفل کی شرکت کو ثواب سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص انہیں سمجھائے اور بتائے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ وہابی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی نعت سننے سے منع کرتا ہے۔ حالانکہ منع کرنے والا ایسے نعتیہ اشعار کہنے سے نہیں روکتا جو سچ ہوں اور صحیح ہوں، وہ تو گانے بجانے کے آلات پر پڑھنے سے روکتا ہے۔ اگر حضور اقدس ﷺ کی نعت سننے کا شوق ہے تو بغیر ہارمونیم اور بغیر طبلہ اور بغیر ساز و سارنگی کے سنئے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بغیر ساز و سارنگی اور بغیر طبلہ کے نعت پڑھنے بیٹھ جائے تو دس پانچ آدمی جمع ہو کر صرف پانچ دس منٹ بعد منتشر ہو جائیں گے۔ خدارا! انصاف کرو کیا یہ تمام رات جاگنا، نعت نبی ﷺ سننے کے لئے ہے یا نبی اکرم ﷺ کا نام گرامی استعمال کر کے نفس و شیطان کو لذیذ گانے کی حرام غذا دینے کے لئے ہے۔ کیسی نادانی کی بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ جن چیزوں کو مٹانے کے لئے تشریف

لائے ان ہی چیزوں کو حضور اقدس ﷺ کی نعت سننے میں استعمال کرتے ہیں۔ پھر اوپر سے ثواب کی امید بھی رکھتے ہیں۔ نفس و شیطان نے ایسے غلبہ پایا ہے کہ قرآن وحدیث کے قانون بنانے والوں کی بات ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ اللہ پاک سمجھ دے اور حضور پاک ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے کے جذبات نصیب فرمائے۔ پھر رات بھر قوالی سنتے ہیں اور فجر کی اذان ہوتے ہی نماز پڑھے بغیر سوجاتے ہیں۔ یہ ہیں محبت نبی کے متوالے، جنہیں فرائض و سنن کے عارت کرنے پر ذرا بھی ملال نہیں ہے۔

انا لله وانا اليه راجعون (تحفۃ المسلمین جلد دوم)

گانا اور میوزک وہ زہر قاتل ہے جو مومن بندے کے چہرے سے نور، آنکھوں سے حیاء، زبان سے ذکر الہی، دلوں سے خوف خدا، کانوں سے طہارت، ذہنوں سے نفاقت، قول و فعل سے نفاست، اور معاشرے سے ہدایت جیسے قیمتی سرمایہ کو سلب کر (چھین) لیتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ گانا بجانے سنتے اور سنانے میں مشغول رہتے ہیں ان کو محبوب عالم ﷺ کی ان احادیث پر غور کرنا چاہیئے۔

(علم و عمل فروری 2009ء)

جب اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ اور علمائے امت کے ہاں گانا بجانا قابل لعنت و ملامت ہے تو کیا ہم مسلمانوں کا یہ فرض نہیں کہ اس خبیث فعل سے اجتناب کریں، ورنہ خطرہ ہے کہ اپنی حلال کی کمائی کو اس مردود فعل میں صرف کرنے کے باعث کہیں ہم بھی مردود نہ ہو جائیں۔

یہ ساز و موسیقی جہنمی غذا ہے اللہ کی جانب سے اس پہ سزا ہے
 کر دم نہ برباد یہ زندگانی مولیٰ کے محبوب نے بھی کہا ہے
 جنت کی نعمت سے محروم ہوگا خرافات میں غرق جو بھی ہوا ہے
 چننا تم ایسے گناہ سے ہمیشہ لوگو! جہنم کا یہ راستہ ہے
 اس کے ہی کانوں میں سیسہ ڈلے گا جو اس بے حیائی کا لیتا مزہ ہے
 موسیقی چھوڑو! پڑھو رب کا قرآن لوگو! اسی میں تمہارا بھلا ہے
 یہی راہ سیدھی ہے ذیشان گوہر اسی بات کا رب کا قرآن گواہ ہے

(کلام ذیشان گوہر، مجاہد نگر ڈیرہ اسماعیل خان)

شراب نہ پیو

اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدہ۔ ۹۰)

”اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جو اور بت پانے سب گندے کام ہیں شیطان کے، سو

ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔“ (گلدستہ تفاسیر جلد دوم)

اس آیت مبارکہ میں چار چیزیں قطعاً حرام کر دی گئیں ہیں۔ ایک شراب، دوم قمار بازی، سوم وہ مقامات جہاں خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی، نذر و نیاز یا چڑھاوے کے لیے مخصوص کی جائیں اور چوتھے پانے یعنی جوئے کی اقسام کے تمام کھیل اور کاروبار جن میں حصول اشیاء کا دار و مدار حقوق اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کی بجائے محض اتفاق امر پر رکھ دیا گیا ہو۔ مثلاً دو درجید میں لائٹری کی اقسام، گھوڑ دوڑ، فال گیری جس میں زندگی کے معاملات کا فیصلہ عقل و فکر سے کرنے کی بجائے کسی وہمی خیال یا کسی اتفاقی امر سے کیا گیا ہو، یا نعمت کا مال ایسے زاپچوں کے ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کی جائے جن کا وسیلہ علم الغیب کے علاوہ کسی علمی طریقے سے ثابت نہ ہو۔ مثلاً رمل، نجوم، شگون وغیرہ۔ جبکہ دو درجید میں بھی مختلف صورتوں میں یہ عمل جاری ہے۔ جو شخص اس پر یقین رکھتا ہے کہ قرآن شریف ﷺ کی کتاب ہے اور رسول ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اور اللہ کی وہ تمام صفات موجود ہیں جن کے نام قرآن پاک میں آئے ہیں۔ اس شخص میں ان حدود کی پابندی لازم آتی ہے، خواہ مصلحت اس شخص کی سمجھ میں نہ بھی آئے۔

تحریم خمر (شراب) کے موقع پر جب سورہ مائدہ کی مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ سب گندگیاں اور شیطانیات، شراب اور جوئے میں سمٹ آئی ہیں۔ شراب اور جوئے کو بت کے ساتھ ملا کر ذکر اس طرح ہوتا ہے کہ گویا ان سب کا گناہ بت پرستی کے ہم رنگ اور ہم سنگ ہے۔ ان کو نجس اور گندگی قرار دیا گیا جس سے آلودہ ہونا ہی مقدس انسانیت کی توہین ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ شیطانی اعمال میں ان سے اجتناب کرو۔ دنیا و آخرت کی فلاح کو اس پر مشروط کر دیا گیا۔ گویا جب تک ان

گند گیوں سے پرہیز نہ کیا جائے تب تک کسی خیر و فلاح کی توقع بے سود ہے۔

(شراب حرام، جو احرام، سو حرام ص ۴)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے بارے میں دس

آدمیوں پر لعنت بھیجی:

۱..... شراب بنانے والے پر۔

۲..... شراب بنوانے والے پر۔

۳..... اس کے پینے والے پر۔

۴..... اس کے اٹھانے والے پر۔

۵..... جس کی طرف اٹھا کر لائی جائے، اس پر۔

۶..... اس کے پلانے والے پر۔

۷..... اس کے بیچنے والے پر۔

۸..... اس کی قیمت کھانے والے پر۔

۹..... اس کے خریدنے والے پر۔

۱۰..... جس کے لئے خریداجائے اس پر۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۲۔ از ترمذی، ابن ماجہ)

ہر شخص غور کرے کہ خود وہ یا اس کے گھر کا کوئی فرد یا کوئی عزیز واقارب یا دوست کسی حیثیت

سے مذکورہ اسباب لعنت میں تو گرفتار نہیں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: پینے کی

جو بھی چیز نشہ لائے وہ حرام ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۷۔ از بخاری و مسلم)

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس چیز کا زیادہ

حصہ نشہ لائے اس کا تھوڑا سا حصہ بھی حرام ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱۷۔ از ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نشہ لانے والی

ہر چیز حرام ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے ذمہ عہد فرمایا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پئے گا اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو ”طیۃ الخبال“ بلائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ طیۃ الخبال کیا ہے؟ فرمایا دوزخیوں کا پسینہ یا (فرمایا) دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۷ از مسلم)

حضور سید المرسلین ﷺ نے شراب کی نوعیت و خباثت سمجھانے اور لوگوں کو اس گناہ سے بچانے کے لئے مختلف طریقے استعمال فرمائے۔ ایک مقام پر آپ ﷺ فرماتے ہیں وہ ہر نشہ آور شراب ہے اور نشہ حرام ہے۔

ایک بار کوئی شخص کہیں مضافات سے آیا اور بارگاہ نبوت میں آ کر عرض کی ہمارے علاقے میں تو ان چیزوں کی شراب نہیں بنتی، جس کو آپ ﷺ نے فرمایا ہے (یعنی انگور، کھجور، گندم، جو وغیرہ)۔ آپ ﷺ نے فرمایا، پھر کس چیز کی شراب بنتی ہے۔ اس شخص نے عرض کی ہمارے ماں باپ آپ پر نثار ہوں ہم لوگ تو فمدرد (مکئی) کی شراب پیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ نشہ کرتی ہے، اس نے عرض کی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا ”ہر نشہ حرام ہے جو شخص نشہ آور چیز پیتا کھاتا ہے اسے دوزخیوں کا پسینہ اور دودھون پلایا جائے گا۔“

ایک مرتبہ کسی کو سمجھاتے ہوئے فرمایا: تم لوگ شراب کا نام بدل بدل کر رکھتے ہو کہ ہم شراب استعمال نہیں کرتے۔ لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا شراب تو بدکاروں کی جڑ ہے اور سب سے بڑا گناہ ہے۔ جو شخص پیتا ہے وہ ایسا ہے کہ اسے خبر نہیں ہوتی کہ وہ کس کے پاس ہے، اپنی بیویوں یا اپنی ماں بیٹی کے پاس۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ فرماتے ہیں شراب خور سے بچو، شراب جو پیتا ہے تو وہ ایمان کی حالت میں نہیں ہوتا۔ لوگوں نے دریافت کیا، شراب یہودیوں کے ہاں تو حرام نہیں کیا ہم ان لوگوں کو تحفہ نہیں دے سکتے ہیں۔ فرمایا؛ جس ہستی نے یہ چیز حرام کی ہے اس کو تحفہ میں بھی دینے سے منع فرمایا ہے۔ بعض کاروباری افراد حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی، اس طرح تو بہت نقصان ہو رہا ہے،

ہم شراب کشید کرنے کے ماہر ہیں اگر اجازت دیں تو ہم اس کو سرکہ میں تبدیل کر کے فروخت کر دیں۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ نہیں، اس کو پھینک دو یا فرمایا بہادو۔ (فقہی لحاظ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کو سرکہ میں تبدیل کرنا جائز ہے وہ اس حدیث مبارکہ کو دو راہوں پر محمول کرتے ہیں جب شراب کی ممانعت میں شدت برتی گئی تھی حتیٰ کہ ان برتنوں کا عام استعمال بھی منع ہو گیا تھا، جن میں شراب بنائی جاتی رہی بعد میں آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی کہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ ہی حرام۔ ”شرح وقایہ وغیرہ“)

کسی پہاڑی یا شمالی علاقے کا ایک مسلمان سید المرسلین ﷺ کے سامنے پیش ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر ہم سب غار، ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں سردی پڑتی ہے اور ہمیں محنت و مزدوری کرنے کے لئے تھوڑی سی شراب پینی پڑتی ہے تاکہ ہم لوگ چست ہو کر اچھی طرح کام کر سکیں۔ کیا ہم تھوڑی سی پی سکتے ہیں؟ حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا نہیں قطعاً نہیں۔

اسی طرح ایک دن ایک شخص بہت دور دراز علاقے سے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم طبیب ہیں، اپنی دواؤں میں قدرے شراب ڈال لیتے ہیں اور یہ طریقہ اختیار کرنے سے ہم دواؤں کو خراب ہونے سے روکتے ہیں اور محفوظ کرتے ہیں تاکہ خراب نہ ہوں۔ کیا ہم یہ کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، شراب بذات خود بیماری ہے، حرام ہے وہ دواؤں کو محفوظ کیسے کر سکتی ہے۔ (از شراب حرام، جو احرام، سو حرام ص ۷، ۸)

شراب انسانی جسم اور عقل و شعور کے لئے حد درجہ مضر ہے۔ اسی طرح دین ہو یا دنیا ہر جگہ اس کا نقصان عام ہے۔

☆..... اعصابی نظام پر اس کے اثرات کے نتیجے میں جنوں (پاگل پن) کا مرض لاحق ہوتا ہے اور نسل برباد ہو جاتی ہے۔

☆..... انسانی عقل پر شراب کے اثرات کو ہر کوئی تسلیم کرتا ہے، چنانچہ اس میں شک نہیں کہ شراب کا نشہ باقی رہنے کی حالت تک ہی شعور اور ادراک متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ نشہ اتر جانے کے بعد بھی دماغ کی فکری صلاحیت متاثر ہوتی ہے اور بالآخر آدمی پاگل بھی ہو جاتا ہے۔

☆..... سماجی زندگی پر شراب کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے آپس میں لڑائی جھگڑا ہوتا ہے۔ نشہ باز آپس میں ایک دوسرے سے الجھ پڑتے ہیں اور جو بھی ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، ان کے اکسانے پر وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ان کے اندر اس زور کی ٹھن جاتی ہے کہ آپس میں دشمنی اور بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ شراب کے نتیجہ میں راز فاش ہوتا ہے۔ اور انسان عام انسانوں کی نگاہوں میں کمینہ اور ذلیل ثابت ہوتا ہے۔ نیز شراب نوشی کے ایک جرم سے ان گنت جرائم جڑ پکڑتے ہیں اور شرابی کے اندر کوکھولا کرتے ہیں۔ اور شرابی ڈھیٹ ہو کر ان جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، خصوصاً زنا کاری اور خونی اس کے لئے معمولی کھیل ہوتا ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ (آمین)

میرا یہ کام ہے کہ کروں تجھ کو انتباہ
اللہ کی گرفت کا خمیازہ ہے شدید

☆☆☆.....

عمر

شہید لائبریری

موہڑہ کورچشم (چکوال)
پاکستان

Mohra Kor Chasham (Chakwal) Pakistan

کم وقت اور ایک
نشت میں اختصاراً
سیرت النبی ﷺ
کا مطالعہ کیجئے

سیرت

رسول اللہ ﷺ کا علیہ مبارک کیسا تھا؟ سر مبارک سے لیکر پاؤں مبارک تک ایک انسان کامل کی تصویر
☆ رسول اللہ ﷺ کے سب دروز کیسے گزرتے تھے؟ اسوۂ حسنہ کا المقدرہ ذخیرہ

- ☆ رسول اللہ ﷺ کا نسب نامہ
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے حقوق
- ☆ رسول اللہ ﷺ پر نازل کرنے والی وحی (مصحح آن)
- ☆ رسول اللہ ﷺ کی جنتی جماعت کا تعارف
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے وزراء
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے مؤذنین
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے عاملین و گورنر
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے شہر مدینہ کے پچاس نام

اور اس کے علاوہ مسجد نبوی کی تعمیر کے سن وار مراحل
اودو لکتی مبار - تاہ - ل مبار - بحساب سنین سیرت نبی ﷺ مصلحتی ل آویز نقشہ

مساجد، مدارس مصلحتی فاتر اور گھروں میں لگائیے

سیرت کا مطالعہ فرمائیے، سیرت کو سمجھیے اور سیرت کو اپنائیے

تمام عنوانین حضرت سیدنا محمد بن عبد اللہ کے شاہ رسالہ میں آرٹ ایچ بک پر منظر، نئی خوبیوں سے مزین چارٹ آج طلب فرمائیں۔

سوپر ہورڈر چشم
اہل سنت حیدرآباد

0543-423263
0333-5902896

مولانا محمد عبد عمر
پنوال روڈ پکوال

نیشنل

تاریخ ۱۹۸۸ء
حج و عمرہ کی
معلومات

یا اللہ مدد
صلی اللہ علیہ وسلم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بِتَعْبَادٍ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۶۸﴾ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا

مُسْلِمِينَ ﴿۶۹﴾ أَذْخَلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿۷۰﴾ ﴿۱﴾

لے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور تم غمگین ہو گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہماری آیتوں
پر ایمان لائے اور فرماں بردار تھے تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ہدایت

آئیے تو ایسے

ضمیمہ
والد ماجد کا
کلمہ حق
سیدنا محمد
صلی اللہ علیہ وسلم
کا نام

یک صد اکابر علماء دیوبند کی ایمان پر وراموات کا حسین مرقع، فکر آخرت اور
شوق وطن کے لئے اکسیر، راہ ہدایت کے حصول کے لئے عمدہ معاون ایک
لیٹراچر جس کا لفظ لفظ اکابر دیوبند کے تقرب بارگاہ ایزدی کا پتہ دے رہا ہے۔

مکتبہ اہل سنت
موبہ کوٹہ (پنجاب)

ابوسعید
محمد عبد العزیز

موجودہ حقائق اور
خبر ناک حالات کے لئے

مدنی وظیفہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ!

شب جمعہ المبارک ۸ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کو مدینہ منورہ میں ایک قبیع سنت سید بزرگ کو حضور اقدس رحمۃ اللعالمین ﷺ کی زیارت ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا "میرے محبوب حسین احمد مدنی" کے وظیفہ (درو و شریف نَسَبِیْنَا) کو خوب پھیلاؤ میں خصوصاً پاکستان میں جو حالات ہیں اس کے لئے خصوصی اہتمام سے یہ وظیفہ پڑھیں اس وظیفہ کو اپنے حلقہ احباب اور عوام میں پھیلائیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً
تُنَجِّنَا بِهَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاَفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِهَا جَمِیْعِ الْحَاجَاتِ وَتَطَهِّرْنَا
بِهَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتُرْفَعْنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلٰی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغْنَا بِهَا اَقْصٰی
الْعَالَمَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَيْرَاتِ فِی الْحَيٰتِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

ہذا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ آفات سے حفاظت کے لئے یہ وظیفہ بعد نماز عشاء ۷ بار پڑھنے کو فرمایا کرتے تھے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام)

ہذا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک نیک صالح بزرگ حضرت "موسیٰ خضر" رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ "فضائل درو و شریف" میں تحریر فرمایا ہے و فرماتے ہیں "کہ ایک جہاز ڈوبنے لگا اور میں اس میں موجود تھا اس وقت مجھ کو خود گئی سی ہوئی اس حالت میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ درود (نَسَبِیْنَا) تعلیم فرمایا کہ جہاز والے اس کو پڑھیں جس کے پڑھنے سے جہاز ڈوبنے سے بچ گیا۔"

اس درو و شریف کا کثرت سے پڑھنا اور مکان میں چسپاں کرنا تمام امراض و بائیں، ہیضہ، طاعون و غیرہ سے حفاظت کے لئے مفید ہے اور بحرب سے اور قلب کو مجرب و فریب المہینان بخشتا ہے۔ (خوب پڑھیں، خوب پھیلائیں اور نجات پائیں۔)

(ماخذ: معانی جامعہ زکریا مولانا سید حسین احمد مدنی ۱۹۳۱ء)

اسلامی لٹریچر اور کتب کی بہترین کپیڈنگ اور پرنٹنگ کے لئے، نیز ہر قسم کے اشتہارات اور ایڈورٹائزنگ کے لئے رجوع کریں

ڈب مارکیٹ پتوال روڈ چکوال
0334-8706701
0543-421803
zedemm@yahoo.com

النور Management